اُكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ (ترمذی)

• موت کو
جو تمام لذّتوں کو
ختم کر دینے والی چیز ہے،
کثرت سے یاد کرو •

مراقبۂ موت

وعظ

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

ناشر

الرّشید

اکثروا من ذکر ھاذم اللذات الموت (ترمذی)

مراقبۂ موت

وعظ

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرتِ اقدس مفتی رشید احمد صاحب
رحمہ اللہ تعالیٰ

جامع

مفتی محمد ابراھیم صادق آبادی

ناشر

کتاب گھر

نام کتاب ⬅ مراقبۂ موت
وعظ ⬅ فقیہ العصر مفتیٔ اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
تاریخ طبع ⬅ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
مطبع ⬅ حسان پرنٹنگ پریس فون:6642832
ناشر ⬅ کتاب گھر

ملنے کا پتہ

کتاب گھر السادات سینٹر بالمقابل دارالافتاء والارشاد
ناظم آباد۔ کراچی
فون نمبر.....۶۶۸۳۳۰۱ فیکس نمبر.. ۰۲۱-۶۶۲۳۸۱۴

فاروق اعظم کمپوزرز

فہرست مضامین ''مراقبۂ موت''

صفحہ	عنوان
۸	نمونۂ عبرت
۱۱	معیار ولایت
۱۵	ایک اشکال
۱۸	توحید حقیقی
۲۱	بشارت کی تفسیر
۲۵	موت کی یاد
۲۶	گناہوں کی قسمیں
۲۷	دکھ کی بات
۲۹	گناہوں کی تیسری قسم
۳۲	دعائیں بے اثر کیوں؟
۳۴	دعاء کی حقیقت
۳۷	مراقبۂ موت کی حقیقت
۳۹	ناغہ کی نحوست
۴۰	قرآن کی دولت
۴۲	''رب'' کے معنی
۴۳	قرآن پر عمل نہ کرنے والوں کے خلاف رسول ﷺ کی شہادت
۴۴	قرآن میں تحریف

عنوان	صفحہ
مراقبۂ موت کا اہتمام	۴۶
مراقبۂ موت کے فوائد	۴۶
شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ	۴۷
لقاء محبوب	۵۰
اہل اللہ کے حالات	۵۲
مراقبۂ موت کے مزید فوائد	۵۵
پہلا فائدہ	۵۵
دوسرا فائدہ	۵۶
تیسرا فائدہ	۵۷
درس عبرت	۶۰
اہل اللہ کی محبت کا حال	۶۰
مال کی ہوس	۶۱
عزت ومنصب	۶۲
بزرگوں پر ستم	۶۳
موت بڑا واعظ ہے	۶۴
مقصود حقیقی	۶۶
شکر نعمت	۶۹
موت کی یاد	۷۲
مرنے کی تیاری	۷۵
تعزیت کا طریقہ	۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ

مراقبۂ موت

(ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ)

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريک له ونشهد ان محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالى عليه وعلى اٰله وصحبه اجمعين۔

امابعد فاعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم،

كل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجوركم يوم القيمة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحيوة الدنيا الامتاع الغرور (۳-۱۸۵)

یہ حقیقت ہر انسان کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہئے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو سوچئے اور مسلسل سوچتے رہئے کہ اگر ابھی اسی گھڑی

موت آگئی تو کیا ہوگا اس لئے کہ موت جب بھی آئی ایسے ہی آئے گی پہلے سے بتایا نہیں جائے گا۔اس لئے یہ سوچ کر کہ موت جب آئے گی میرا کیا ہوگا اپنے اعمال کی اصلاح کیجئے ۔

رنگا لے ری چنری گندھا لے ری سی
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
تو کیا کیا کرے گی گھڑی کی گھڑی
تو رہ جائے گی ری کھڑی کی کھڑی

سوچنے کی بات ہے اگر پہلے سے کوئی تیاری نہیں کر رکھی تو عین وقت پر کیا کر سکو گے۔ حاصل ان اشعار کا یہ ہے کہ پہلے سے تیاری نہیں کی اور وقت آگیا تو عین وقت پر کچھ نہ کر سکو گے بس کھڑے حسرت سے منہ تکتے رہ جاؤ گے اس لئے انسان کو پہلے سے تیار رہنا چاہئے ۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک روس اور کیا سر زمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آواز طبل اودھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہو مۓ گل گوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنارو بوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے

”آز“ حرص کو کہتے ہیں حرص وہوس میں لگ کر آج مسلمان اپنی آخرت کو برباد کر رہا ہے اپنے مالک کو ناراض کر رہا ہے ۔

لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنّا ہر طرح مایوس ہے

دنیا میں انسان آرزوؤں اور تمنّاؤں کے سہارے جی رہا ہے کہ یہ ہوجائے، وہ ہوجائے یا یہ کہ ابھی تو مجھے یہ کرنا ہے اور وہ کرنا ہے، ان جھوٹی تمنّاؤں کا انجام دیکھنا ہے تو ذرا قبرستان چلے جاؤ ساری حسرتیں، تمنّائیں اور آرزوئیں خاک میں ملی ہوئی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ عبرت پکڑ کر مجھے قبرستان لے گئی ؎

لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنّا ہر طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے

سکندر، دارا، کیکاؤس یہ سب کے سب مشہور بادشاہ گزرے ہیں، بڑے بڑے نامور اور مشہور بادشاہوں کی قبریں دکھا کر کہنے لگی کہ یہ سکندر ہے یہ دارا ہے اور یہ کیکاؤس ہے ؎

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

ذرا ان سے پوچھو! تمہاری تمنّاؤں سے بڑھ کر ان کی تمنّائیں تھیں۔ اس زمانہ کے بادشاہوں کو آج کل کے کسی صدر یا وزیر اعظم پر مت قیاس کیجئے یہ لوگ ان کے سامنے بونے ہیں، آج کا بڑے سے بڑا صدر بھی اس زمانے کے چھوٹے بادشاہ سے بھی چھوٹا ہے، یہ وہ بادشاہ تھے جن کی آدھی آدھی دنیا پر حکومت تھی بلکہ بعض نے تو پوری دنیا پر حکومت کی۔ عبرت بولی ان بادشاہوں سے پوچھو انہوں نے تمنّاؤں اور آرزوؤں کے کیسے کیسے محل تعمیر کر رکھے تھے لیکن موت نے آکر سارے محل زمین بوس کر دیئے ان

نامور سلاطین کو ان کی آرزوؤں سمیت خاک میں ملادیا ؎

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بو نے
کبھی غور سے یہ بھی دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سونے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے
نہ دل دادۂ شعر گوئی رہے گا
نہ گرویدۂ شہرہ جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
رہے گا تو ذکر نکوئی رہے گا
ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے
مکیں ہوگئے لامکاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

یہ زمین بڑے بڑے آسمانوں کو کھا گئی، شجاعت و بہادری کے آسمان، مال و دولت کے آسمان، علم و عقل اور فنون و ہنر کے آسمان، حسن و جمال کے آسمان، دنیا میں جتنے کمالات کا آپ تصور کر سکتے ہیں کر لیں ان تمام باکمال لوگوں کو زمین کھا گئی۔

نمونۂ عبرت:

زمین کے ایک ٹکڑے پر دو شخص لڑ رہے تھے۔ ان زمینداروں کی لڑائیاں بھی بڑی

عجیب ہوتی ہیں، میرے پاس دو زمیندار جھگڑا لے کر آئے، جھگڑا کیا ہے؟ کہ جی دو کھیتوں کے درمیان جو چھوٹا سا بند ہے اس میں سے ایک بالشت میرا ہے، دوسرا کہتا ہے نہیں یہ میرا ہے۔ بس اسی ایک بالشت کی خاطر جھگڑ رہے ہیں۔ اصل میں ان لوگوں کی سوچ بہت دور کی ہوتی ہے، جیسے ایک میاں جی کا قصہ ہے کہ ایک گھر سے انہیں ٹکڑے ملتے تھے ایک دوسرے میاں جی نے ان پر قبضہ کرلیا، دونوں میاں جی ٹکڑوں پر لڑ رہے ہیں اس نے دوسرے پر مقدمہ کردیا، ہزاروں روپے مقدمے کی نذر ہوگئے، آخر لڑتے لڑتے ایک میاں جی مقدمہ جیت گئے، فیصلہ ہوگیا کہ یہ گھر اس میاں جی کے حصے کا ہے یہی اس کے ٹکڑے وصول کریں گے۔ کسی نے اس پر ڈانٹا کہ میاں جی! کس قدر احمق اور بے وقوف انسان ہو دو چار روٹیوں کی خاطر ہزاروں روپے برباد کردیئے۔ اس پر میاں جی جواب دیتے ہیں بے وقوف تم ہو ذرا سوچو تو سہی یہ فیصلہ کتنی دور اندیشی پر مبنی ہے؟ اس گھر کے ٹکڑے پہلے میں لیتا رہوں گا، میرے بعد میرے بیٹے لیں گے، ان کے بعد میرے پوتے لیں گے پھر پڑپوتے لیں گے، اس طرح یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ ان لوگوں کا اپنا اپنا علاقہ ہوتا ہے اس میں یہ کسی کا عمل دخل برداشت نہیں کرتے کوئی دوسرا اس میں نہیں گھس سکتا۔

یہی حال آج کل کے پیروں کا ہے، جس علاقے میں کسی پیر کے مرید رہتے ہوں اس میں دوسرا پیر قدم نہیں رکھ سکتا، یہ پیر صاحب خود بھی اپنے اس علاقے میں سال بہ سال چکر لگاتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اگر چکر نہ لگائیں گے تو آمد بند ہوجائے گی، یہ مرید باغی ہوجائیں گے، یہ کسی دوسرے پیر کے مرید ہوجائیں گے، اسی لئے ان کے ہاں آمد و رفت ضروری ہے۔ بجائے اس کے کہ مرید حاضر ہوں پیر صاحب خود ہی پہنچ جاتے ہیں۔

جیسے میاں جی نے بہت دور کی سوچی اسی طرح ان زمینداروں نے بھی سوچا کہ اس ایک بالشت زمین سے ایک موسم میں اتنا غلہ آئے گا، دوسرے میں اتنا، تیسرے میں

اتنا، اسی طرح کھڑے کھڑے قیامت تک کا حساب لگالیا کہ قیامت تک ان کی اولاد کھاتی رہے گی۔ یہ حرص و ہوس کے کرشمے ہیں کہ بالشت بھر زمین سے اتنی اتنی آرزوئیں وابستہ کرکے زمیندار لڑرہے ہیں۔

قصہ یہ چل رہا تھا کہ زمین کے ذرا سے ٹکڑے پر دو شخص لڑ رہے تھے ایک کہتا ہے کہ میرا ہے دوسرا کہتا ہے کہ میرا ہے۔ زمین سے آواز آئی کہ دونوں جھوٹ بولتے ہیں میں ان میں سے کسی کی نہیں ہوں بلکہ یہ دونوں میرے ہیں، ان دونوں کو میرے پیٹ میں آنا ہے، پھر جب میں نے بھینچا اور پسلیاں ہونے لگیں اِدھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر جب پتا چلے گا کہ میں ان کی ہوں یا یہ میرے ہیں۔

سوچا جائے کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟ جس شخص نے اپنی زندگی میں اللہ کو راضی نہیں کیا گناہوں میں زندگی گزار دی، توبہ و استغفار نہیں کیا، گناہوں کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا وہ جب مرتا ہے، قبر میں جاتا ہے تو ایسے شخص سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

> "قبر اس سے خطاب کرتی ہے کہ اب تک تو میرے اوپر چلتا رہا، آج میرے اندر ہے۔ آج دیکھ! تیری کیسی خبر لیتی ہوں؟ پھر وہ اس طریقے سے دباتی ہے کہ پسلیاں اِدھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔" (ابوداؤد، ترمذی)

وہ وقت آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ ہم سب کو تیاری کی توفیق عطاء فرمائیں۔

میں موت کو سوچنے کے فائدے بتا رہا تھا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان جب مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو دنیا سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے، گناہ از خود چھوٹ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کی رضا حاصل کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا کی تمام پریشانیوں کے کفیل ہو جائیں گے۔ ایسے شخص کی حاجات اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے پوری فرماتے ہیں

کہ خود اس شخص کو پتا نہیں ہوتا کہ کہاں سے پوری ہو رہی ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں کے لئے وعدہ ہے:

﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل له مخرجاو یرزقه من حیث لایحتسب﴾ (۶۵-۲)

"اور جو شخص اللہ کی نافرمانی سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکل سے نجات کا راستہ بنادیتے ہیں۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں، جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

دنیا میں بھی کسی کی دوستی کسی شخص سے ہوجائے تو وہ دوست کا ہر کام خوشی سے کر دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کا ولی بن گیا کیا اللہ تعالیٰ اسے بھول جائیں گے؟ ناممکن ہے کہ آخرت کے خوف سے جس نے نافرمانی چھوڑ دی وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہ بنے یا اللہ تعالیٰ اس کے ولی نہ بنیں۔ یعنی یہ شخص اللہ کا ولی بن گیا اللہ تعالیٰ اس کے دوست ہوگئے دونوں جانب سے دوستی ہوگئی محبوبیت کا تعلّق قائم ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی دوستی سے صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا کی حاجات بھی پوری ہوجاتی ہیں۔

معیار ولایت:

آج کا مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے دوستی کا خواہشمند ہے مگر وہ اسے دوست بنانا چاہتا ہے وظیفے پڑھ پڑھ کر۔ اسے شیطان نے یہ پٹی پڑھادی ہے کہ وظیفے پڑھ کر تو ولی بن جائے گا اور کچھ کرنے ورنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے ایک بوڑھا کسی بزرگ کے پاس گیا انہوں نے پڑھنے کو وظیفہ بتادیا، اس نے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا پڑھ پڑھ کر پاگل ہوگیا۔ پھر لوگوں کی بھی ایسی مت ماری گئی کہ اس قسم کے پاگل کو پاگل نہیں سمجھتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ بن گیا اور یہ پاگل جب کپڑے اتار کر لنگوٹی باندھ لے تو کہتے ہیں اب پہلے سے بھی بڑا ولی اللہ بن گیا پھر اگر لنگوٹی بھی اتار پھینکے اور ننگا ہوجائے،

بالکل ثلاثی مجرد خماسی مزید فیہ تو سبحان اللہ! اب کیا کہنا اس کی بزرگی کا، گویا اب تک ولایت صغریٰ کے مقامات طے کررہا تھا اب ولایت کبریٰ کے مقام پر فائز ہوگیا۔ یہ ہے آج کے مسلمان کا مبلغ عقل، اب اسے کون سمجھائے کہ وظیفے پڑھنے سے کوئی ولی اللہ نہیں بنا کرتا ولی اللہ تو بنتا ہے گناہ چھوڑنے سے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دے اس کا بندہ بن جائے تو بنتا ہے ولی اللہ۔

گناہ چھوڑنے کے نسخے تو بتاتا ہی رہتا ہوں، ذکر کی اہمیت سے انکار نہیں یہ بھی ایک نسخہ ہے گناہ چھوڑنے کا مگر شرط یہ ہے کہ ذکر برائے ذکر نہ ہو، ذکر اسی نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہو اور اس کی نافرمانی چھوٹ جائے۔ اس کے علاوہ بھی کئی نسخے ہیں مگر سب سے اہم اور بنیادی نسخہ ہمت ہے۔ آپ کوئی نسخہ استعمال نہ کریں صرف ہمت بلند کرلیں بس یہی ایک نسخہ گناہ چھڑوا دے گا، ذرا سوچیں کہ میں جن گناہوں میں مبتلا ہوں میرے اندر ان کے چھوڑنے کی ہمت ہے یا نہیں؟ گناہ میں اپنے اختیار سے کررہا ہوں یا مجبور ہوکر؟ اس حقیقت کو بیٹھ کر بار بار سوچیں اور ایک ایک گناہ کے بارے میں سوچیں کہ یہ گناہ اپنے ارادے اور اختیار سے کررہا ہوں یا کوئی زبردستی کروا رہا ہے؟ سوچنے سے بالآخر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہر گناہ اپنے ہی اختیار سے کررہے ہیں۔ جب گناہ اپنے اختیار میں ہے تو اس کا چھوڑنا بھی تو اپنے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی گناہ کرنے میں خود کو بے اختیار اور مجبور سمجھتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی احمق خود جلتے تنور میں چھلانگ لگادے اور ساتھ ساتھ شور بھی کرتا جائے کہ مجھے بچالو بچالو، اس وقت کوئی اسے پکڑ کر پوچھے کہ پہلے یہ بتا کہ تو خود کود رہا ہے یا کوئی اور پکڑ کر تجھے تنور میں جھونک رہا ہے؟ یونہی جو احمق گناہ کرکر کے جہنّم کی آگ میں کود رہا ہے اس سے بھی کوئی پکڑ کر پوچھے تم خود کود رہے ہو یا کوئی زبردستی تمہیں اٹھا کر جہنّم میں پھینک رہا ہے؟

میں بتا رہا تھا کہ ہر گناہ کو چھوڑنے کی بنیاد ہمت پر ہے، ہمت سے کام لے نہ گناہ

کرے نہ جہنم میں کودے۔ صرف وظیفوں سے کچھ نہیں ہوتا، اس سے یہ مقصد نہیں کہ جب تک گناہ نہیں چھوٹتے ذکر اللہ نہ کرے، مقصد یہ ہے کہ صرف ذکر پر اکتفاء نہ کرے بلکہ سچے دل سے استغفار اور گناہوں کو چھوڑنے کی کوشش اور دعاء بھی جاری رکھے، اس حالت میں ذکر کرے گا تو اس کی برکت سے گناہوں کو چھوڑنا آسان ہوجائے گا۔ پھر اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا رہے، اس سے محبت بڑھے گی اور قرب کے مقامات طے ہوں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ گناہوں سے بچنے اور استغفار کے ذریعہ دل کو پاک وصاف رکھنے کی کوشش میں لگا رہے جیسے کسی کے دانت خراب ہوجائیں تو پہلے ان کی صفائی ضروری ہے پہلے انہیں صاف کرلیں پھر چمکانے کے لئے کوئی چیز لگائیں۔ بعض پان کھانے کے مریض دانت صاف نہیں کرتے، میلے دانتوں پر رنگ چڑھاتے جاتے ہیں، جب درد اٹھتا ہے تو پتا چلتا ہے، ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں تو وہ کہتا ہے علاج کا مرحلہ گزر چکا اب نکالے بغیر اس کا کوئی علاج نہیں، بتایئے اس قسم کے دانتوں پر چمک کہاں سے آئے گی؟

یہی مثال کپڑے کی ہے کہ میلے کپڑے کو دھوئے بغیر رنگنا ممکن نہیں وہ رنگ کبھی نہیں پکڑے گا، پہلے دھو کر صاف کریں پھر رنگیں، یونہی میلے کپڑے کو رنگ دیا تو کوئی فائدہ نہیں، آپ نے رنگ بھی ضائع کیا اور وقت بھی ضائع کیا، بلکہ کپڑا بھی خراب کردیا۔ صاف کرکے رنگتے تو رنگ پائدار ہوتا، کپڑے میں چمک بھی پیدا ہوتی۔ لوہے یا لکڑی کو رنگنا چاہیں تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ پہلے ریگ مال لگا کر انہیں اچھی طرح صاف کرلیں اس کے بعد رنگ لگائیں، جو رنگ لگائیں گے وہ آسانی سے پکڑیں گے۔

اسی طرح سے سمجھئے کہ جو لوگ گناہ چھوڑے بغیر "ذکر اللہ" کے انوار حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو کبھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پہلے توبہ واستغفار کے ریگ مال سے لوح قلب کو صاف کیجئے گناہوں سے اسے پاک کیجئے اس کے بعد ذکر شروع کیجئے پھر دیکھئے اس پر انوار اور تجلیات کا کیا عکس پڑتا ہے مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آینت دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست
روتو زنگار از رخ او پاک کن
بعد زین این نور را ادراک کن

تیرے دل کے آئینے میں ذکر کا عکس کیوں نہیں پڑتا؟ اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت کیوں نہیں محسوس ہوتی؟ اس کی حلاوت سے کیوں محروم ہے؟ اس لئے کہ دل پر گناہوں کا زنگار چڑھا ہوا ہے۔ آئینہ پر زنگار چڑھ جائے تو اس میں کسی چیز کا عکس نظر نہیں آسکتا، توبہ و استغفار کا ریگ مال لگا کر دل کا زنگار دور کیجئے پھر دیکھئے اس میں ذکر کے انوار کیسے منعکس ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نام کی حلاوت ولذت کیسی محسوس ہوتی ہے۔

شکر کیسی میٹھی چیز ہے، اس کا تجربہ تو سب لوگ کرتے ہی رہتے ہیں، میٹھی چیز تو سب کو میٹھی لگتی ہے لیکن اگر کوئی بیمار ہو جائے اور اس پر صفراء کا غلبہ ہو تو اس کو میٹھی چیز میٹھی نہیں بلکہ کڑوی لگتی ہے، سو صحت یا بیماری کو پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ شکر جسے میٹھی لگے وہ صحت مند ہے، جسے کڑوی لگے وہ بیمار ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام بھی روحانی صحت اور بیماری کو پرکھنے کا معیار ہے، جسے اس کی لذت اور شیرینی محسوس ہو وہ صحت مند ہے ۔

تیری محبت روح کی لذت تیرا تصور دل کا اجالا
نطق نے میرے چوم لئے لب نام ترا جب منہ سے نکالا

کچھ خوش نصیب ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر شیریں اور لذیذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ان کی روح کی لذت بلکہ روح کی زندگی ہے اللہ تعالیٰ کا نام لیں تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے ۔

اللہ اللہ این چہ شیرین است نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

میرے محبوب! تیرا نام ایسا لذیذ اور میٹھا ہے کہ جب زبان پر لاتا ہوں تو پوری جان شیر و شکر ہو جاتی ہے شیر و شکر دو چیزیں باہم مل جاتی ہیں۔ دودھ خود لذیذ اور میٹھا، شکر بھی میٹھی، دونوں مل جائیں تو سبحان اللہ! کیا کہنا ان کی مٹھاس کا۔

ایک اشکال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ”جس شخص کے دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ماسوا سے بڑھ کر ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی بندے سے محبت کرے اور کفر کی طرف لوٹنا اس پر ایسے گراں ہو جیسے آگ میں جانا، یہ تین صفتیں جس میں جمع ہوں اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہو جاتی ہے۔“

(متفق علیہ)

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایمان کھانے کی چیز تو نہیں جو میٹھی لگے جب وہ چکھنے یا کھانے کی چیز ہی نہیں جو میٹھی لگے تو اس کی حلاوت اور مٹھاس محسوس ہونے کا کیا مطلب؟ اکثر محدثین نے تو اس اشکال کا یہ جواب دیا کہ یہاں حلاوت سے مراد حسی حلاوت نہیں جو زبان سے چکھ کر محسوس کی جائے بلکہ مراد باطنی اور روحانی حلاوت ہے، یعنی اس کا دل لذت سے معمور رہتا ہے اندر ہی اندر ایک سرور اور انبساط کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

مگر ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو اپنے دور کے بہت بڑے عارف اور بزرگ گزرے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں کسی تأویل کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ اپنے ظاہر پر ہی محمول ہے۔ حلاوت سے مراد حسی حلاوت

ہے۔ کسی کو محسوس نہیں ہوتی تو نہ ہو، ہمیں تو محسوس ہوتی ہے، جس کو یہ مٹھاس محسوس نہیں ہوتی وہ اس کا انکار نہ کرے بلکہ ان لوگوں کی بات تسلیم کرلے جو ایمان کی مٹھاس چکھ چکے ہیں ؎

لو لمْ تر الهلال فسلم
لاناس رأوه بالابصار

کسی کمزور نظر والے کو اگر پہلی کا چاند نظر نہیں آتا تو اسے چاند کا انکار کرنے کی بجائے ان لوگوں کی بات مان لینی چاہئے جو چاند دیکھ چکے ہیں۔

فرمایا ہمیں یہ لذت محسوس ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منہ میٹھا ہوجاتا ہے۔

ایک بزرگ نے حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا:

”میاں اشرف علی! جب اللہ کا نام لیتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ منہ شکر سے بھر گیا۔“

ایک بزرگ نے کہا:

”میاں اشرف علی! جب سجدہ کرتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ میاں نے پیار کرلیا۔“

چائے جیسی مضر صحت چیز تو سب کو میٹھی معلوم ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نام کی مٹھاس محسوس نہیں ہوتی۔ آخر کیا وجہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی تأثیر چائے سے بھی کم ہے؟ قرآن تو اس کی تأثیر بتا رہا ہے کہ اس سے دل دہل جاتے ہیں۔

﴿اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم﴾ (۲۲-۳۵)

”جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو مؤمنین کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔“

ان کی نبضیں تیز ہوجاتی ہیں، دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی

لذت اس لئے محسوس نہیں ہوتی کہ دل بیمار ہے۔ صفراء زدہ ہے جسے میٹھے کڑوے کی تمیز محسوس نہیں ہوتی، گناہوں سے اسے پاک کردیں تو اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت ضرور محسوس کریں گے۔

موت کو یاد کرنے سے دنیا سے دل ٹوٹتا اور آخرت سے جڑتا ہے گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ نافرمانی چھوڑنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کا دوست اور مقرب بنتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ دوست اپنے دوست کو پریشان نہیں کرتا بلکہ اس کی پریشانی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو دنیا و آخرت کی پریشانیوں سے دور رکھتے ہیں، فرمایا:

﴿الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۝ الذین امنوا وکانوا یتقون۝ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمت اللّٰہ ذلک ھو الفوز العظیم۝﴾

(۱۰- ۶۲ تا ۶۴)

”خبردار! اللہ کے دوستوں پر نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ پریشان ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے۔“

یہ بتا چکا ہوں کہ اللہ کے دوست کون ہیں؟ کوئی اللہ کا دوست اوراد و وظائف سے نہیں بنتا بلکہ اللہ کے دوستوں کی یہ صفت ہے:

﴿الذین امنوا وکانوا یتقون﴾

جو مؤمن اور متقی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں پھر ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہیں ان کا ایمان نام کا ایمان نہیں حقیقی ایمان ہے، کلمہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اس عہد کو پورا کرتے ہیں اس کی نافرمانی چھوڑ کر ایک ایک حکم کی تعمیل کرتے

ہیں۔ تقویٰ نام ہے نافرمانی سے بچنے کا۔ جب متقی بن گئے، اللہ تعالیٰ سے دوستی کا تعلق قائم کرلیا تو اللہ تعالیٰ کا بھی ان سے وعدہ ہے:

﴿لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون﴾

خوف اور غم تو ان کے پاس سے بھی نہیں گزرتے۔ ساری دنیا بھی انہیں مل کر پریشان نہیں کرسکتی، ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور نہ ہی انہیں دنیا کی پرواہوتی ہے ؎

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے
مد نظر تو مرضیٔ جانانہ چاہئے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

موحد چہ درپائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس
برین است بنیاد توحید و بس

توحید حقیقی:

آجکل ایک توحیدی فرقہ نکلا ہوا ہے، جو لوگوں پر کفر وشرک کے فتوے لگاتا ہے، ان لوگوں نے توحید کے الفاظ رٹ رکھے ہیں، توحید کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے عمید کلیۃ اللغہ یہاں ہمارے پاس آئے انہوں نے دو باتیں کہیں ایک تو یہ کہ سعودیہ کے علماء خشک ہیں یہاں آکر میں نے تری محسوس کی۔ میں نے کہا "الحمد للہ" کہ خشک دل والے کو بھی یہاں پہنچ کر تری محسوس ہوگئی،

وہ خود بھی تو سعودیہ سے آئے تھے اور انہی خشک علماء میں سے تھے مگر یہاں آکر اعتراف کیا کہ وہ خشکی یہاں نہیں پائی جاتی بلکہ تری ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کیا کہ آخر یہاں کوئی نعمت تو ہے جس کا مخالف بھی اقرار کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ میں حکومت سعودیہ کی طرف سے پوری دنیا کو توحید کی تعلیم دینے کے لئے مبعوث ہوں، پوری دنیا کے چکر پر نکلا ہوں، مختلف ممالک کا دورہ کرکے ہر جگہ توحید کا درس دیتا آرہا ہوں اسی سلسلے میں پاکستان آیا ہوں ہر جگہ توحید بیان کرتا آیا ہوں لیکن یہاں پہنچ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ میرے اندر کچھ کمی ہے، یہاں رہ کر مجھے کچھ حاصل کرنا چاہئے۔ چونکہ مہمان تھے اس لئے ان سے کہنے کی بات نہ تھی ورنہ دل میں آیا کہ ان سے کہوں جس توحید کی آپ نے رٹ لگا رکھی ہے یہ صرف الفاظ ہیں ورنہ حقیقی توحید کی تو آپ کو اب تک ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ توحید کتابوں سے نہیں ملتی اہل اللہ سے ملتی ہے ان کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر کہیں نہیں ملے گی ؎

سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے

غیر اللہ کا خیال دل سے نکل جائے دل میں نہ کسی کا خوف باقی رہے نہ کسی سے طمع رہے، خوف ہو تو صرف ایک ذات کا، امید وابستہ ہو تو صرف ایک ذات سے، یہ دولت کہاں سے ملے گی؟ مدارس میں یا کتابوں میں جس توحید کا درس ملتا ہے اس کا تعلق صرف عقائد سے ہے، درس توحید پڑھ کر یا سن کر عقیدہ تو درست ہو جائے گا مگر دل پاک نہ ہوگا، اس سے بت پرستی نہیں نکلے گی، ہاں اہل اللہ سے درس توحید لیں تو دل سے غیر اللہ کا خیال نکل جائے گا بلکہ غیر کا تذکرہ سننا بھی گوارا نہ کریں گے اور یہ کیفیت ہوگی ؎

ہمہ شہر پر زخوبان منم وخیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم یک بین نکند بکس نگا ہے

کسی کا کوئی محبوب اور کسی کا کوئی محبوب، مگر میں کیا کروں کہ میری یہ یک بیں آنکھ کہیں بھی نہیں پڑتی، شہر بھر میں کوئی محبوب بھی اسے نہیں جچتا یہ یک بیں ہے اسے تو صرف ایک ہی نظر آتا ہے "چہ کنم" میں کیا کروں مجھے تم مجبور سمجھ لو، معذور سمجھ لو، اس یک بیں آنکھ کو صرف ایک ہی نظر آتا ہے، اس ایک کے سوا دوسری جانب یہ آنکھ اٹھتی ہی نہیں، اس لئے مجھے معذور سمجھئے۔ یہ ہے حقیقی توحید۔ یہ درجہ کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے توحید حاصل ہو گئی۔ جب تک یہ درجہ حاصل نہ ہو اسے توحید کا علم کہہ سکتے ہیں، توحید کے بول کہہ سکتے ہیں مگر توحید کی حقیقت نہیں کہہ سکتے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ اللہ کے دوست کون ہوتے ہیں، فرمایا:

﴿الذین امنوا و کانوا یتقون﴾

جو لوگ دو صفتوں سے متصف ہوں ایمان اور تقویٰ، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ ان کے لئے انعام کیا ہے؟ لھم البشری۔ تلاوت کرتے ہوئے جب میں لفظ "بشریٰ" پر پہنچتا ہوں تو مزا آجاتا ہے، دل چاہتا ہے کہ بار بار اس کو دہراتا رہوں۔ اس کے معنی تو عجیب ہیں ہی یہ لفظ بھی عجیب ہے، دوسرے لوگوں کی حالت تو معلوم نہیں اپنا حال تو یہی ہے کہ اس لفظ پر پہنچ کر عجیب کیفیت ہوتی ہے، مزا آنے لگتا ہے لھم البشری ان لوگوں کے لئے بشارت ہے جنہوں نے اپنے مالک کو راضی کرنے کے لئے نفسانی خواہشات کو قربان کر دیا، گناہوں سے بچ گئے، ان کو مالک کی طرف سے انعام دیا جا رہا ہے کہ ہماری خاطر جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو قربان کر دیا، قدم قدم پر نفس و شیطان کا مقابلہ کیا اور ہماری نافرمانی سے بچتے رہے ان کے لئے ہمارا انعام ہے:

﴿لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ﴾

"ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔"

آگے اس فیصلے کا قطعی اور دائمی فیصلہ ہونا بیان فرماتے ہیں: لا تبدیل لکلمت

اللہ۔ ہم نے جو فیصلہ کردیا اب ہم کبھی بھی اس کے خلاف نہیں کریں گے۔ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے یہ فیصلہ فرما تو دیا ہے لیکن آگے چل کر کہیں اسے ختم نہ کردیں اور اس جگہ کوئی دوسرا فیصلہ نہ کردیں اس وہم کو ختم کرنے کے لئے فرمایا: لا تبدیل لکلمت اللہ یہ ہمارا قطعی اور دائمی قانون ہے، کبھی بھی اس کے خلاف نہیں ہوگا۔ جو شخص دنیا میں رہتے ہوئے ہمارے قوانین کی پابندی کرے، ہماری نافرمانی سے دور رہے اس کے لئے یہ لازوال اور قطعی فیصلہ ہے کہ آخرت کی عظیم بشارتیں تو اس کے لئے ہیں ہی دنیا میں بھی اسے بشارتیں ملنا شروع ہوجاتی ہیں۔ اب جس بندے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگئے اور اس کی دنیا و آخرت سنور گئی اسے اور کیا چاہئے؟ فرمایا:

﴿ذلک ھو الفوز العظیم﴾

حقیقت میں یہی ہے بہت بڑی کامیابی "ذلک" سے بعید کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے یہاں تعظیم اور بڑائی بتانے کے لئے یہ لفظ لائے، پھر "ذلک" " کے بعد "ھو" کا لفظ لایا گیا ہے یہ حصر کے لئے ہے کہ حقیقی کامیابی بس یہی ہے، کامیابی اور مقصد براری کسی چیز کا نام ہے تو وہ صرف اور صرف یہی چیز ہے اگر اس امتحان میں کوئی ناکام ہے تو وہ خواہ دنیا بھر کے امتحانوں میں کامیاب ہوجائے، ہزاروں سندیں حاصل کرلے مگر حقیقت میں وہ سراسر نامراد اور ناکام ہے کامیابی تو صرف ایک ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ کامیابی فرمارہے ہیں۔

بشارت کی تفسیر:

یہ آیت تو مدتوں سے پڑھتے آرہے ہیں مگر اس پر کبھی ذہن نہیں گیا کہ دنیا میں بشارت کی تفسیر کیا ہے؟ بس جب اللہ کو منظور ہوتا ہے تو وہ دل میں بات ڈال دیتے ہیں اس آیت کی تفسیر ایک دوسری آیت سے پوری سمجھ میں آجاتی ہے، وہ یہ ہے:

﴿ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکہ ان لاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۞ نحن اولیاؤ کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون۞﴾ (۴۱-۳۰،۳۱)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا۔ "ربنا اللّٰہ" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پورے اللہ کے بن گئے، زبان سے اس کا اقرار کیا اور عمل سے اس کی تصدیق کی، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام کا کیسا معاملہ ہوتا ہے:

﴿تتنزل علیھم الملئکۃ﴾

ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، انہیں تسلیاں دیتے ہیں:

﴿لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون﴾

"ڈرو نہیں اور کوئی غم نہ کرو جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے اس پر خوش رہو۔"

جنت کا تصور کرکے خوش ہوتے رہو، خوش ہوتے رہو۔ ان کو بشارت ملتی رہتی ہے۔ اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرشتے دنیا میں آکر یہ بشارت دیتے ہیں مگر پہلی آیت میں تو پوری وضاحت ہے کہ متقین کو دنیا میں ہی بشارت ملتی ہے:

﴿الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۞ الذین امنوا وکانوا یتقون۞ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمت اللّٰہ ذلک ھو الفوز العظیم﴾

(۱۰- ۶۲ تا ۶۴)

"خبردار! اللہ کے دوستوں پر نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ پریشان

ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ سے ڈرتے رہتے
ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے،
اللہ کی باتوں میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

باقی رہا یہ اشکال کہ فرشتے اترتے ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟ جواب یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں کا اترنا نص قرآن سے ثابت ہے۔ مختلف آیات میں فرشتوں کی مختلف تعداد مذکور ہے، ایک آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، دوسری میں تین ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، تیسری میں ہے کہ اگر کفار کو مزید کمک پہنچ گئی تو ہم پانچ ہزار فرشتوں کا لشکر بھیجیں گے۔ اور اس جنگ میں فرشتے یقیناً بڑی تعداد میں اترے ہیں مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے وہ کن کو نظر آئے ہیں؟ فرشتوں کا اتنا بڑا لشکر تو ہر شخص کو نظر آجانا چاہئے مگر اکاد کا صحابہ کے واقعات ملتے ہیں کہ انہیں خرق عادت کچھ فرشتے نظر آئے ورنہ فرشتوں کا عام مشاہدہ کسی کو نہیں ہوا۔ یوں بھی اعمال لکھنے والے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ ہیں مگر آج تک کسی نے دیکھے نہیں، اسی طرح اگر مؤمنین متقین پر فرشتوں کا نزول ہو اور وہ کسی کو نظر نہ آئیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے اس کا محسوس و مشاہد ہونا ضروری نہیں، دوسرے قرائن سے اور علامات سے بھی اس کا وجود ثابت کیا جاسکتا ہے اور یہاں تو فرشتوں کے نزول پر ایسے صاف قرائن موجود ہیں جنہیں عام شخص بھی محسوس کرتا ہے۔ دیکھئے اگر فرشتے زمین پر اتر کر اس کو بشارتیں نہ دے رہے ہوتے دل کو تقویت نہ پہنچا رہے ہوتے تو اکیلے دم یہ ضعیف اور ناتواں انسان پوری دنیا کا کیسے مقابلہ کرتا؟ ذرا تصور کیجئے کہ ایک طرف پورا معاشرہ گناہوں میں اٹا ہوا، پورا ماحول دین کے خلاف کمربستہ، دین پر چلنے والوں کے خلاف شیطان کا پورا لاؤ لشکر میدان میں اترا ہوا ہے مگر مخالفت کے اس طوفان میں اللہ کا یہ بندہ اکیلا ڈٹا ہوا ہے، اسے کسی کی مخالفت کی پروا نہیں۔ سوچئے آخر اس کے سینے میں بھی تو دوسروں جیسا ایک دل ہے۔ دل تو سب کا ایک ہی

جیسا ہے دوسرے لوگ تو ایسے مواقع پر بہت ڈر جاتے ہیں، بڑی بزدلی دکھاتے ہیں اگر بیوی بچوں کو خوش نہ کیا تو کیا بنے گا، خاندان کے لوگ ناراض ہوگئے تو ہمارا جینا حرام ہو جائے گا، برادری روٹھ گئی یا دوستوں نے رخ پھیر لیا تو انہیں منائے بغیر زندہ نہ رہ سکیں گے، ساری دنیا کو اپنے اوپر مسلط کر لیا گویا سب کو اپنا اللہ بنا رکھا ہے ؎

مصیبت میں ہے جان کس کس کو دیں دل
ہزاروں تو دلبر ہیں اور ہم اکیلے

ایک طرف تو یہ منظر ہے مگر دوسری طرف اللہ کا بندہ ساری دنیا کی پروا کیے بغیر خاندان اور برادری کو خاطر میں لائے بغیر اپنے دین پر قائم ہے، بتایئے اگر فرشتے اس کے دل کو تھامے ہوئے نہیں تو اس اکیلے انسان میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی؟ بدر میں تو فرشتوں نے اتر کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں کو تھاما انہیں تقویت پہنچائی تو کیا آج کے کمزور مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتے نہیں بھیجیں گے؟ میں تو ایک بات سوچتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جسمانی قوت اور ان کی شجاعت و بہادری قابل رشک تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس صحابہ کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے صحابہ کو کتنی تقویت مل رہی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کریں کہ جب شیطان نے غزوۂ احد میں آواز لگادی: ان محمدا قدقتل۔ العیاذ باللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ بس یہ آواز سننا تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوصلے پست ہوگئے، دم بخود ہو کر رہ گئے۔ سوچئے ایک تو خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دنیا کی بہادر ترین قوم ہیں پھر اللہ کا رسول ان کے ساتھ ہے لیکن پھر بھی ان کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتے اتار دیئے تو کیا آج چودہ سو سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اس قدر بعد کے باوجود ایک کمزور جسم اور کمزور دل مسلمان کی مدد کے لئے فرشتے نہیں اتر سکتے؟ یقیناً اتر

رہے ہیں۔

موت کی یاد:

موت کو یاد کرنے کے فائدے بیان کئے جا رہے تھے اگر انسان غفلت سے باز آجائے اور موت کو ہر دم یاد رکھے تو اس کے لئے بے شمار فائدے ہیں اس سے دنیا بھی سنور جائے گی آخرت بھی۔

موت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت ذہن کو حاضر کر کے یوں سوچئے کہ گویا مر چکا ہوں، اب مجھے قبر میں اتارنے کے لئے لوگ لے جا رہے ہیں بلکہ اس سے بھی ذرا پہلے یہ سوچنا شروع کریں کہ نزع کی حالت طاری ہے، جان نکل رہی ہے، اب آگے سوچیں کہ یہ جان تکلیف سے نکل رہی ہے یا آسانی سے نکل رہی ہے۔ جان کنی کا وقت ہے والدین بھائی بہن عزیز واقارب بلکہ ڈاکٹر اور طبیب سب بے بس اور مجبور کھڑے ہیں، ہر شخص اپنی شکست تسلیم کر چکا ہے، کوئی دواء کار گر نہیں، دعائیں بھی بے اثر ہو گئیں، تعویز گنڈوں سے بھی کام نہ چلا سب کوششیں بے کار ہو گئیں اور اب جان نکل رہی ہے تو سوچئے کس حالت میں نکلنی چاہئے آسانی سے یا تکلیف سے؟ سوچنے کے بعد ظاہر ہے کہ آپ کا دماغ یہی فیصلہ کرے گا کہ جان آسانی سے نکلنی چاہئے، پھر یہ سوچیں کہ یہ فیصلہ تو ہم نے کر لیا کہ جان آسانی سے ہی نکلنی چاہئے مگر اس کے نسخے بھی ہم استعمال کر رہے ہیں یا نہیں؟ جب اس کے نسخے بھی معلوم ہیں تو انہیں استعمال کیوں نہیں کرتے؟ مرنے سے تو چارہ نہیں، موت تو آنی ہی آنی ہے شاید یہ سوچ کر اپنے کو تسلی دیتے ہوں گے کہ اتنے دن نہیں مرے تو آیندہ بھی نہیں مریں گے۔

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہم مرنے کی عمر کو نہیں پہنچے۔ اپنے خیال میں انہوں نے مرنے کی ایک عمر متعین کر لی ہے اور وہ بھی کم از کم سو سال یا نوے سال۔ جب کسی

بوڑھے کے بارے میں سنتے ہیں کہ وہ سو سال کا ہو چکا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں، ہمت بلند ہو جاتی ہے کہ ہم تو ابھی پچاس سال کے ہیں ابھی تو آدھی عمر باقی ہے۔ یہ نفس کا ایک خطرناک دھوکا ہے جس کا علاج ضروری ہے۔ اس دھوکے کا علاج یہ ہے کہ بڑی عمر میں مرنے والوں کی بجائے اپنے سے کم عمر میں مرنے والوں کو دیکھیں، سوچیں کہ کتنے بچے ہیں جو پیدا ہوتے ہی مر گئے اور کتنے ایسے جو ماں کے پیٹ میں مر گئے، مرے پہلے پیدا بعد میں ہوئے، پیدا ہونے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر نفس بھی بڑا عیار ہے وہ اس موقع پر آپ کو یوں تلقین کرے گا کہ وہ موقع تو گزر گیا ہم تو مرے نہیں لہٰذا خطرہ ٹل گیا۔ اس دھوکے کا علاج یہ ہے کہ اپنے ہم عمر لوگوں کو دیکھئے اور سوچئے کہ ہم عمر بھی تو مر رہے ہیں۔ وہ سارے مر رہے ہیں، آخر ہماری باری بھی آجائے گی اور کسی نہ کسی روز یہ جنازہ اٹھنا ہے اور مرنے سے پہلے یقیناً نزع کی حالت بھی طاری ہونے والی ہے اس کو آسان کرنے کے لئے ہم نے کیا نسخے استعمال کئے؟ وہ نسخے تو بتاتا ہی رہتا ہوں مختصر یہ کہ وہ وقت آنے سے پہلے توبہ کیجئے اللہ تعالیٰ کو راضی کیجئے۔ گناہوں کو چھوڑ دیجئے۔

گناہوں کی قسمیں:

گناہوں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن کو آج کی دنیا بھی گناہ سمجھتی ہے کہ واقعۃً یہ گناہ ہیں جیسے جھوٹ بولنا، چوری کرنا، رشوت لینا اگرچہ لوگ ان گناہوں میں مبتلا ہیں مگر سمجھتے ضرور ہیں کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔

دوسری قسم کے گناہ وہ ہیں جنہیں آج کی دنیا نے گناہوں کی فہرست ہی سے نکال دیا ہے لوگ انہیں گناہ سمجھتے ہی نہیں جیسے تصویر لینا یا گھر میں بلا ضرورت شدیدہ رکھنا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں اس گناہ کو رواج دینے میں بڑا دخل ان مولویوں کا بھی ہے جن کی تصویریں اخباروں میں شائع ہوتی رہتی ہیں، کوئی سامنے کھڑے کھڑے

ان کی تصویر لے لے تو روک ٹوک نہیں کرتے لیکن ان سے مسئلہ پوچھا جائے تو صاف کہیں گے کہ یہ سخت گناہ ہے مگر اپنی تصویر اتارنے سے کسی کو نہیں روکتے، اس سے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہ کام جائز ہے جب ہی تو مولوی صاحب کر رہے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ مولوی صاحبان کی تصویریں بلا اجازت اتار لی جاتی ہیں اس میں ان کا کیا قصور ہے تو یہ عذر لنگ ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ کیمرے والا کیمرا لے کر آپ کے سامنے کھڑا ہے، نشانہ لے کر اطمینان سے تصویر اتار رہا ہے آپ خاموش کھڑے ساری کاروائی دیکھ رہے ہیں، اسے بلا اجازت تصویر لینا کون کہے گا۔

دوسری بات یہ کہ بلا اجازت کسی کی تصویر لینا ملکی قانون کی رو سے بھی جرم ہے اگر بلا اجازت کوئی آپ کی تصویر لے لے تو آپ اس پر مقدمہ دائر کر سکتے ہیں اگر کوئی مولوی ہمت کر کے ایک بار مقدمہ کر دے تو مولویوں کا دامن تو اس لعنت سے ہمیشہ کے لئے صاف ہو جائے گا۔ ہمارے سامنے کوئی ایسی حرکت کرے تو ہمیں اس پر مقدمہ کرنے کی ضرورت نہیں اس سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ یہ مقدمہ دائر کرنے کا مشورہ اس کو دے رہا ہوں جس میں جہاد کی قوت نہ ہو ایسے شخص سے اور کچھ نہ ہو سکے تو کم سے کم عدالت میں مقدمہ ہی کر دے کہ اس مسلح شیطان نے بلا اجازت میری تصویر لے لی۔

تصویر کی طرح اور بھی بہت سے گناہ آج معاشرے کا جزء بن چکے ہیں وجہ صرف یہی ہے کہ ان پر کسی طرف سے روک ٹوک نہیں، جب کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں، کوئی کہنے والا نہیں تو عوام بھی یہی سمجھنے لگے کہ جائز کام ہے جب ہی تو مولوی صاحبان نے اس پر سکوت اختیار کر رکھا ہے۔

دکھ کی بات:

گذشتہ رات میں ہمارے ایک عزیز اسلام آباد سے آئے ہوئے تھے۔ بہت اونچے

طبقے کے افسر ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک جگہ حکومت کی طرف سے کوئی بڑی تقریب تھی، صرف افسر ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء اور گدی نشین مشائخ بھی موجود تھے۔ مجھے بھی دعوت تھی اس لئے چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ ساز بج رہے ہیں لیکن یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ کئی مولوی، جبہ و دستار والے پیر اس شیطانی مجلس میں بیٹھے مزے سے کھا پی رہے ہیں کوئی یہ کہنے کو بھی تیار نہیں کہ یہ ساز کیوں بج رہے ہیں لیکن میں جب وہاں پہنچا تو یہ سوچے بغیر کہ اتنے بڑے بڑے عہدیدار بیٹھے ہیں، ہر شعبے کے افسر ہیں میری بات سنی جائے گی یا نہیں، بس دروازے پر پہنچتے ہی گرج کر کہا:

"فوراً بند کردو ورنہ یہ سب کچھ توڑ دوں گا۔"

یہ سنتے ہی ساز بند ہو گئے مگر مولوی اور پیر کھانے میں مگن رہے، کسی نے روکنے کی زحمت گوارا نہ کی، کتنے دکھ کی بات ہے۔ اب بتایئے عوام مولویوں اور پیروں کا یہ طرز عمل دیکھ کر اس لعنت کو جائز سمجھیں گے یا نہیں؟ پھر ہمارے یہ عزیز کوئی عالم نہیں، بزرگ نہیں، بلکہ انگریزی خواں ہیں۔ سوچئے اس سے کیا سبق ملا؟ مسلمان خواہ عالم ہو یا نہ ہو لیکن دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہو وہ شیطان کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اس کی نجات ہو جائے گی لیکن دوسری طرف کوئی عالم ہے، پیر ہے مگر دل میں اللہ کا خوف نہیں، شریعت کے احکام ٹوٹتے دیکھ کر اسے غیرت نہیں آتی تو ایسے علم اور ایسی پیری سے کوئی فائدہ نہیں، نہ ہی یہ علم سبب نجات بن سکتا ہے۔

انہوں نے ایک بات بالکل صحیح بتائی کہ جو علماء عوام کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں اور حکومت سے جن کا تعلق جڑ جاتا ہے ان میں احساس باقی نہیں رہتا۔ ایک ہے گناہ کا احساس۔ مثلاً اس قسم کی مجلس میں کوئی جائے اور اسے احساس ہو کہ یہ گناہ کا کام ہے مجھے اس مجلس میں نہیں آنا چاہئے تھا یا آنے کے بعد توبہ کر لینا چاہئے یا کچھ نہ کرے تو کم از کم گناہ کو گناہ سمجھ کر ہی کرے مگر ان سرکاری مولویوں میں یہ احساس باقی نہیں رہتا، دل سیاہ ہو جاتے ہیں اور دینی حس ختم ہو جاتی ہے انہیں اس قسم کی مجلس میں جاتے

ہوئے احساس تک نہیں رہتا کہ یہاں کوئی گناہ ہو رہا ہے، بار بار گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو یہی کیفیت ہو جاتی ہے۔

﴿اذا تکرر الکلام تقرر فی القلب﴾

”جب کوئی بات بار بار کہی جاتی ہے تو وہ دل میں اتر جاتی ہے۔“

گناہ کی تیسری قسم:

تیسری قسم کے گناہ وہ ہیں جنہیں لوگ گناہ کی بجائے ثواب سمجھتے ہیں۔ جو ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت مگر لوگ انہیں ثواب اور نیکی سمجھ کر کر رہے ہیں۔ جیسے کسی کے مرنے پر ایصال ثواب کے لئے دعوتوں کا سلسلہ چل پڑتا ہے اور قبر میں ”عہد نامہ“ رکھا جاتا ہے یہ ”عہد نامہ“ رکھ کر گویا اپنی پٹائی کا خود سامان کر رہے ہیں کہ فرشتے پوچھیں اس پر عمل کیا تھا یا نہیں، جب عمل نہیں کیا تو رکھنے سے فائدہ کیا؟ دکھا دکھا کر پٹائی کریں گے۔ یہ بدعتی ”عہد نامہ“ اہتمام سے قبر میں رکھتے ہیں تاکہ فرشتوں کا کام آسان ہو جائے، انہیں زیادہ باز پرس نہ کرنا پڑے بس یہ ”عہد نامہ“ اٹھا اٹھا کر دکھاتے جائیں اور پٹائی کرتے جائیں اس کے علاوہ اور نہ جانے کتنی دعائیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ ”دعائے گنج العرش“ ”درود ماہی“ ”درود لکھی“ ”درود تاج“ ”درود ناری“ ”ہفت ہیکل“ اور ”چہل کاف“ وغیرہ۔

مجھ سے کسی نے کہا کہ میں ”چہل کاف“ بھول گیا ہوں ذرا آپ بتا دیں۔ میں نے کہا یہ کون سا مشکل کام ہے پڑھتے جائیے کک کک کک کاکی ککو جب چالیس کاف پورے ہو جائیں ٹھہر جائیں، یہ وظیفہ تو بہت آسان ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ کا کلام سامنے موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنی محفوظ شکل میں موجود ہے لیکن آج کے مسلمان کو نہ تو قرآن مجید پر اعتماد آئے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اعتماد

آئے، اس کو تو بس ٹوٹکوں وظیفوں سے عشق ہے، نہ معلوم یہ چیزیں کہاں سے گھڑ لیں؟

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضرت کچھ پڑھنے کو بتادیجئے حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ایک آیت بتادی مگر وہ اسے خاطر میں نہ لایا، بولا حضرت! کچھ سینے سے دیجئے، حضرت نے فرمایا "سینے میں تو بلغم ہوتا ہے اسے جب نکالوں تو اٹھا لیجئے گا۔" قرآن پر یقین نہیں سینے سے کچھ نکال کر دیجئے، ان لوگوں کے ذہن اس طرح جاہل پیروں نے بگاڑے ہیں۔

سوچئے اور اس حالت کا تصور کیجئے کہ جان نکل رہی ہے اور قبر سامنے ہے، جان کنی کی گھڑیوں کو آسان بنانا چاہتے ہیں تو ابھی موقع ہے گناہوں سے توبہ کیجئے۔ گناہوں کی پوری تفصیل بتاچکا ہوں ان تمام گناہوں سے زندگی کو پاک کیجئے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ بڑی آسانی سے جان نکلے گی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اس وقت دعاء بھی کرلیجئے کہ یا اللہ! تیرا وعدہ ہے کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے، گناہوں سے بچتا ہے، اگر کبھی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ و استغفار کرکے اسے بخشوا لیتا ہے، جو بندہ تیری رضاجوئی میں لگا رہتا ہے اس کے لئے قرآن مجید میں تیرا وعدہ ہے:

﴿ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا﴾ (۴-۶۹)

"جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا یہ لوگ بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ اور ان لوگوں کا ساتھ کیا ہی اچھا ہے۔"

یااللہ! تونے جب زندگی میں مجھے اطاعت کی توفیق عطاء فرمادی تو اب اپنا وعدہ پورا فرما۔ یا اللہ! اپنے ان نیک بندوں کے زمرے میں شامل فرما۔ میں بے کس اور مجبور حالت نزع میں پڑا ہوں میری مدد فرما۔ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بزرگان دین کی زیارت کا میں مشتاق ہوں یااللہ! ان سب حضرات کی زیارت ابھی سے شروع کروادے۔ ابھی سے ان کی پاکیزہ مجلس میں پہنچادے۔

﴿فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم﴾

اپنے منعم علیہم بندوں کی مجلس میں ابھی پہنچادے، میں جب سوچتا ہوں اور اس کا تصور کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ واقعۃً اس مبارک محفل میں پہنچ بھی گیا، اللہ تعالیٰ کے اس کرم سے امید ہے جب وہ وقت آئے گا تو پہنچادیں گے اور ان حضرات کی زیارت نصیب ہوجائے گی۔

ایک رات بخار ہوگیا جس کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی اور طبیعت بے چین تھی، دل ہی دل میں اس مبارک مجلس کا تصور جمالیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تشریف فرما ہیں، اور میں بھی ان کے قدموں میں بیٹھا ہوں اس تصور میں ایسا محو ہوا کہ صبح ہوگئی اور پتا ہی نہ چلا کہ رات کب گزر گئی، نیند آئی یا اسی استغراق میں رات گذر گئی کچھ پتا نہیں بس اتنا یاد ہے کہ بڑی راحت سے بڑے سکون سے بڑے مزے سے رات گذری، جب آپ گناہ چھوڑیں گے، توبہ و استغفار کریں گے، اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑیں گے تو اس وقت یہ دعاء بھی کرسکیں گے: "یااللہ! اس سخت گھڑی کو میرے لئے آسان فرمادے، اس مبارک مجلس تک جس کا تونے وعدہ کررکھا ہے ابھی سے رسائی ہوجائے" تو یہ دعاء ضرور قبول ہوگی۔

دعائیں بے اثر کیوں؟:

لیکن اگر گناہ نہیں چھوڑے، زندگی بغاوت میں گزاردی تو موت کی گھڑی بہت سخت ہوگی، ایسے شخص کی دعاء میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔

کوئی آگیا کہ تعویذ دے دیجئے۔ کس مقصد کے لئے؟ اولاد کے لئے۔ اچھا یہ بتایئے شادی کو کتنے سال ہوئے ہیں؟ بولے شادی تو کی نہیں اور نہ ہی کرنے کا ارادہ ہے، بس تعویذ دے دیجئے۔ تو آپ کیا کہیں گے کہ بڑا بے وقوف اور احمق ہے جو شادی کئے بغیر اولاد مانگ رہا ہے۔ ایک دوسرا شخص یہی تعویذ لینے آیا جو شادی شدہ ہے مگر کہتا ہے کہ میری بیوی بہت دور ہے اس سے ملنے کی کوئی صورت نہیں بس دعاء کردیجئے اور ایسا تعویذ دیجئے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے اسے اولاد ہوجائے۔ آپ کیا کہیں گے کہ یہ بھی اس احمق کا بھائی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کو حاصل کرنے کے ممکن اسباب نہ اختیار کئے جائیں، اپنی سی کوشش نہ کرلی جائے دعاء قبول نہیں ہوتی۔ اس قسم کی دعاء رد کردی جاتی ہے بلکہ ایسے شخص کے حق میں دوسروں کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاء کرتا ہے اور کیفیت یہ ہے:

﴿یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یارب، یارب ومطعمہ حرام ومشربہ حرام وملبسہ حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب﴾ (مسلم)

لمبے سفر پر نکلا ہوا ہے، پراگندہ حال غبار میں اٹا ہوا، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر پکار رہا ہے "یارب! یارب! اے میرے رب، اے میرے رب میری فریاد سن، میری مصیبت ٹال دے، مجھے پریشانی سے نجات دے" خوب خوب دعائیں کررہا ہے

مگر حالت یہ ہے کہ پیٹ میں حرام بھرا ہوا ہے کھانا حرام کا، پینا حرام کا، لباس حرام کا، غذاء حرام کی، بھلا اس کی دعاء کہاں قبول ہوگی؟ لمبے سفر اور دوسرے حالات کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ایسے حالات میں دعاء قبول ہوتی ہے اس کے باوجود حرام سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے اس کی دعاء رد کر دی جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حجاج کے زمانے میں شہر میں بزرگوں کی ایک ایسی جماعت تھی جس کے لئے بد دعاء کرتی وہ تباہ ہو جاتا۔ حجاج کو کسی نے بتایا کہ اس شہر میں مستجاب الدعوات لوگوں کی جماعت رہتی ہے جن کی دعاء تیر بہدف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تجھ پر بھی بد دعاء کر دیں اور تو چلتا بنے۔ اس نے پوری جماعت کی دعوت کر دی اور دعوت کے کھانے میں کچھ حرام ملا دیا۔ جب وہ دعوت کھا چکے تو حجاج نے کہا کہ بس اب میں ان کی بد دعاء سے محفوظ ہو گیا، ان کا علاج ہو گیا، ان سے کہو کر لیں مجھ پر بد دعاء، اب ان کی بد دعاء کا اثر نہ ہوگا۔

جو لوگ چاہتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی دعائیں قبول ہوں انہیں چاہئے کہ پہلے اپنے ذرائع آمدن کو پاک کریں۔ آج کل دعاؤں پر تو زور ہے مگر اس کی طرف کوئی خیال نہیں کہ آمدن کہاں سے ہو رہی ہے؟ پیٹ میں کیا کچھ جا رہا ہے؟

دوسری بات یہ یاد رکھئے کہ عام گناہوں کی بھی وہی تاثیر ہے جو حرام کھانے پینے اور پہننے کی۔ جیسے حرام کھانے والے کی دعاء قبول نہیں ہوتی یونہی نافرمان اور باغی کی دعاء بھی رد کر دی جاتی ہے۔ جب تک گناہوں سے باز نہ آئے دعاؤں میں جان نہیں پڑتی۔ دنیا کی حد تک اگر کوئی دعاء قبول بھی ہو گئی، تو اسے دھوکے میں آکر اترانا نہیں چاہئے، آخرت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ دوست دشمن سب کی سن لیتے ہیں۔ دیکھئے ابلیس سے بڑا نافرمان اور سرکش کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا معارضہ کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اپنا حکم چلا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے دشمن کی دعاء بھی قبول فرمالی۔ اس نے دعاء کی:

﴿رب فانظرنی الی یوم یبعثون۝﴾ (۱۵-۳۶)

''اے میرے رب! مجھے قیامت تک مہلت دے دیجئے۔''

اللہ تعالیٰ نے فوراً دعاء قبول کرلی اور فرمایا:

﴿فانک من المنظرین۝﴾ (۱۵-۳۷)

دعاء تو قبول ہوگئی مگر سوچنے کا مقام ہے کہ اس میں ابلیس کا فائدہ ہوا یا نقصان؟ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں سراسر نقصان ہے، اتنی لمبی مہلت لے کر اپنے لئے مزید جہنّم کا سامان کررہا ہے۔ جہنّمی تو انکار کرتے ہی ہوگیا تھا لیکن اتنی طویل عمر پانے کی بجائے فوراً مرجاتا تو بوجھ ہلکا رہتا اب ساری دنیا میں جتنے گناہ ہورہے ہیں یا قیامت تک ہوتے رہیں گے، سب کا وبال اس کے سر آئے گا۔ سو دنیا میں اگر مجرم کی دعاء قبول ہو بھی گئی تو وہ اس کے لئے مفید نہیں ہوگی بلکہ مضر ہوگی، عموماً دنیا ہی میں اس کا مشاہدہ ہوجاتا ہے۔ آخرت کے معاملے میں تو ایسی دعاء قطعاً قبول نہیں ہوتی۔ پہلے گناہ چھوڑ کر آخرت کا طالب بنے پھر آخرت کی دعاء کرے۔ ایسی دعاء آخرت کے حق میں قبول ہوگی، ورنہ نام کی دعاء کو دعاء کہنا ہی صحیح نہیں۔

دعاء کی حقیقت:

دعاء کے معنی ہیں کہ دل سے کسی چیز کا چاہنا، دل سے کسی چیز کی خواہش کی جائے اسے دعاء کہتے ہیں اور اگر دل میں چاہت نہیں، صرف اوپر اوپر سے کہتا چلا جارہا ہے تو اللہ تعالیٰ تو دل کی بات جانتے ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ اوپر اوپر سے کہہ رہا ہے یا دل سے چاہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہیں پھر وہ فیصلہ دل کی کیفیت کے مطابق کریں گے۔

جس چیز کی چاہت ہوتی ہے انسان اس کے لئے کوشش بھی کرتا ہے اگر اس کی

تحصیل کی کوشش نہیں کر رہا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ دل میں اس چیز کی چاہت نہیں خواہ زبان سے اس کی رٹ لگا تا رہے۔ کوشش کئے بغیر صرف دعاء کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے ایک شخص نہر کے کنارے بیٹھا ہے اور بڑے خشوع و خضوع سے دو رکعت پڑھ کر رو رو کر چلا چلا کر دعاء کرتا ہے کہ یا اللہ! پیاس سے مرا جارہا ہوں کسی طرح میری پیاس بجھا دے۔ پانی کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا بس دعاء کئے چلا جارہا ہے۔ بتائیے یہ دعاء ہے یا مذاق؟ اور ایسی دعاء سے اس کی پیاس بجھے گی یا اور بڑھے گی؟ کوئی بے وقوف اسے دیکھ کر شاید ترس کھا جائے لیکن عقلمند کو اس پر ترس نہیں بلکہ غصہ آئے گا وہ دو طمانچے مار کر پوچھے گا پانی تو تیرے پاس موجود ہے پیتا کیوں نہیں؟ اس قسم کی دعاء کو دعاء کا نام دینا ہی غلط ہے۔ جو آخرت کی فکر رکھتے ہیں اور اسی کے لئے کوشاں ہیں ان کی کیفیت قرآن مجید نے یہ بیان کی ہے:

﴿ومن یعمل سوءا اویظلم نفسه ثم یستغفر اللّٰه یجد اللّٰه غفورا رحیما۝﴾ (۴-۱۱۰)

"جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا نہایت ہی رحم والا پائے گا۔"

اگر غلطی سے گناہ صادر ہو گیا اور اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھا پھر توبہ و استغفار کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے وہ گناہ بخشوانا چاہا تو اس کے لئے یہ خوشخبری ہے: یجد اللّٰه غفورا رحیما۔ ایسے لوگوں کے لئے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں مگر آج کا مسلمان سمجھتا ہے کہ کچھ کرنے ورنے کی ضرورت نہیں بس "عبدالرحمٰن" "عبدالرحیم" نام رکھ لینے سے ہی اس کی رحمت آجائے گی۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ قرآن مجید نے توبہ کا کیا طریقہ بیان کیا ہے، فرمایا:

﴿الا الذین تابوا واصلحوا﴾ (۲-۱۶۰)

"مگر جن لوگوں نے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرلی اور آیندہ اپنے اعمال کو درست رکھا۔"

اس آیت میں غور کیجئے کہ توبہ کا ذکر تو لفظ "تابوا" میں فرمایا آگے "واصلحوا" کیوں بڑھایا؟ صرف یہ سمجھانے کے لئے کہ توبہ سے مراد زبانی توبہ نہیں بلکہ ایسی توبہ ہے جس کا اثر عملی زندگی میں ظاہر ہو، سچے دل سے توبہ بھی کرے اور گناہوں کی زندگی چھوڑ کر حالت بھی درست کرلے ورنہ صرف زبان سے توبہ توبہ کہہ لینا توبہ نہیں، یہ الفاظ کہہ لینے سے حالات میں کون سی تبدیلی آجاتی ہے؟

ایک بار کہیں سفر میں جارہے تھے بے اختیار کان میں آواز پڑگئی کوئی عورت گارہی تھی "توبہ میری توبہ" زبانی توبہ تو ایسی ہی ہے۔

کوئٹہ میں ایک بار زلزلہ آیا جس سے پورا شہر تہس نہس ہوگیا، ہزاروں افراد یک لخت مرگئے۔ یہ ہمارے بچپن کی بات ہے۔ کسی نے بتایا کہ اس موقع پر ایک بازاری عورت باہر کھڑی اس تباہی کا نظارہ کررہی تھی اور بڑے تعجب سے کہہ رہی تھی "اللہ جانے یہ کس کے گناہوں کی نحوست ہے کہ اتنا بڑا عذاب آگیا" گویا وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھ رہی تھی کہ میں تو اتنے اتنے حج کا ثواب لے رہی ہوں اور لوگ اتنی کثرت سے گناہ کررہے ہیں جن کی وجہ سے یہ تباہی مچ گئی۔ ممکن ہے وہ عورت شیعہ مذہب سے تعلّق رکھتی ہو جن کے ہاں متعہ ایک بہت بڑی عبادت ہے اتنی بڑی عبادت کہ ایک بار کرنے سے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ مل جاتا ہے دوبار کرلیں تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ مل جاتا ہے۔ اور تیسری بار کرنے سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ مل جاتا ہے چوتھی بار متعہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، دوسری روایت ہے کہ جس نے ایک بار متعہ کیا اس کا ایک تہائی حصہ جہنّم سے آزاد ہوگیا، دوبار کیا تو دو تہائی آزاد ہوگیا تیسری بار کیا تو پورا ہی آزاد ہوگیا یہ ان کی اپنی کتابوں میں لکھا ہے، گویا ان کے ہاں نجات بلکہ ترقی درجات

کے لئے یہی عمل کافی ہے۔ اتنا جھوٹ بھلا کس مذہب میں ہو گا؟ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطاء فرمائیں۔

مراقبہ کی حقیقت:

بات یہ چل رہی تھی کہ مراقبۂ موت کے کیا کیا فائدے ہیں۔ مراقبہ کا مطلب بھی سمجھ لیجئے کہ یکسوئی سے کسی چیز کو سوچنا۔ یہ اس لئے بتا رہا ہوں کہ لوگوں نے مراقبہ کا مفہوم بدل ڈالا ہے۔ جو وقت آپ کے پاس فرصت کا اور سکون کا ہو اس میں یکسوئی سے سوچئے، دل و دماغ کو حاضر کر کے، شروع میں تو تھوڑی دیر کے لئے سوچنا شروع کیجئے لیکن جب عادت پڑ گئی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں ترقی ہوتی جائے گی۔ شروع میں چند منٹ سوچئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں خود اضافہ ہوتا جائے گا اور ایک دن یہ کیفیت ہو گی کہ یہ خیال دل میں جم جائے گا اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ایک ہی خیال دل پر سوار رہے گا کہ ایک دن مرنا ہے، ہمارا جنازہ اٹھنا ہے اور میت قبر میں اترنی ہے اس وقت کے آنے سے پہلے ہی اس کی تیاری ضروری ہے خیال رہے ع

شاید ہمین نفس نفس واپسین بود

ایک سانس کی بھی ضمانت نہیں یہ جو سانس لے رہے ہیں شاید یہی آخری سانس ہو، دوسرا سانس لینے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت موت کو یاد کرے اور اس کے لئے تیار رہے۔ لیکن یہ کیفیت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بلاناغہ اس کی مشق کی جائے روزانہ رات کو سونے سے پہلے لیٹ کر دو تین منٹ اس کو سوچا جائے، کسی دوسرے وقت فرصت ملے نہ ملے یہ تو ہے ہی فرصت کا وقت۔ اس پر بعض لوگ کہتے ہیں ہمیں اس وقت بھی سوچنے کی فرصت نہیں ملتی بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر موت کو سوچتے سوچتے نیند آگئی تو کوئی پریشانی کی بات نہیں اچھا ہی ہے۔ اگر کسی پر نیند کا زیادہ غلبہ ہو تو

وہ بیٹھ کر ہی سوچ لیا کرے، لیٹ کر سوچنے کی تاکید اس لئے کر رہا ہوں کہ اس میں فائدہ زیادہ ہے کہ انسان اس وقت حرکت میں نہیں ہوتا سکون میں ہوتا ہے جس سے دل جمعی اور یکسوئی زیادہ پیدا ہوتی ہے، انسان چلتے چلتے اتنا نہیں سوچ سکتا جتنا کھڑا ہو کر سوچ سکتا ہے، کھڑے ہونے کی بنسبت بیٹھ کر زیادہ سوچ سکتا ہے اور بیٹھنے کی بنسبت لیٹ کر زیادہ سوچ سکتا ہے بلکہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لیٹ کر جاگتے ہوئے سوچنے کی بنسبت نیند کی حالت میں زیادہ سوچ لیتے ہیں۔ کبھی دیکھا ہے آپ لوگوں نے ایسا کوئی شخص؟ میں اپنی بات کر رہا ہوں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایسا کرم کا معاملہ ہے کہ جب سو جاتا ہوں تو نیند ہی میں بڑے بڑے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ کوئی مسئلہ ذہن میں لے کر جیسے ہی لیٹتا ہوں نیند میں مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ آج دوپہر میں بھی ایسا ہی ہوا ایک اہم مسئلہ ذہن میں تھا سوچتے سوچتے لیٹ گیا اور اسی سوچ میں نیند آگئی اور نیند میں مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور یہ معاملہ آج کا نہیں شروع ہی سے کچھ ایسا چلا آرہا ہے کہ کتابوں سے جو مسئلہ حل نہیں ہوا اس طرح سوچتے سوچتے نیند آگئی اور نیند میں مسئلہ حل ہو گیا۔ اس لئے آپ حضرات سے کہہ رہا ہوں کہ اس کی عادت بنا لیجئے کہ سوتے وقت ذہن میں موت کا تصور ہو اور اسی تصور میں نیند آگئی تو یہ پریشانی کی بات نہیں بلکہ زیادہ بہتر ہے کہ نیند میں بھی دوسری باتوں کی بجائے آخرت کا تصور رہے گا کہ اب موت آرہی ہے، پھر جنازہ اٹھ رہا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے کئے کا حساب دے رہے ہیں۔

مراقبے کی کوئی خاص صورت متعیّن نہیں بس مقصد یہ ہے کہ اس حقیقت کو سوچئے اور بار بار سوچئے کبھی اس سوچ میں ناغہ نہ ہونے پائے بہت سے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کوشش تو بہت کرتے ہیں لیکن کیا کریں وقت پر یاد نہیں آتا اور ناغہ ہو جاتا ہے۔

ناغہ کی نحوست:

کوئی بھی کام ہو اس میں اگر ایک دن کا بھی ناغہ ہو جائے تو بہت برا اثر پڑتا ہے اور اس ایک دن کی نحوست کئی کئی دن تک چلتی رہتی ہے۔ اگر کسی شخص کا دین کی مجلس میں حاضری کا مستقل معمول ہو اور درمیان میں ایک دن کا ناغہ کردے تو پھر دیکھئے یہ سلسلہ کہاں تک جاتا ہے۔ ایک دن پر نہ رکے گا بلکہ دور تک چلا جائے گا، اللہ نہ کرے کہ آپ لوگ کبھی اس کا تجربہ کریں۔ مراقبۂ موت ہو یا کوئی بھی دینی معمول ہو اس میں ناغہ نہ ہونے دیجئے، اپنے حالات کی اطلاع دینے والے بھی اس ہدایت کو یاد رکھیں اگر غفلت سے ایک مہینہ اس معمول کا ناغہ کیا تو دوسرے مہینے خط لکھنے کی توفیق نہ ہوگی اور سستی بڑھتے بڑھتے کئی ماہ بعد جا کر آنکھ کھلے گی، اس لئے ناغہ سے بچئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا کہ آج کل دارالعلوم دیوبند میں امتحانوں کا سلسلہ چل رہا ہے، مشغولیت کی وجہ سے تلاوت کی فرصت نہیں ملتی ناغہ ہو رہا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ اب امتحانوں کی مشغولی ہے جب امتحانوں سے فارغ ہوں گے تو کوئی اور کام سامنے آجائے گا کہ اب اس کو کرلیں یوں ناغوں کا سلسلہ چلتا رہے گا اور عمر بھر فرصت نہیں ملے گی، جو کام کرنا ہے اسے ہر قیمت پر کیجئے اس میں ناغہ نہ ہونے دیجئے۔

حافظوں میں ایک بات مشہور ہے کہ پہلا پارہ "الم" ہماری مرغیوں کو بھی یاد ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے آپ کی مرغیاں بھی آپ کی طرح پڑھی ہوئی ہیں؟ بولے اصل قصہ یہ ہے کہ ہم لوگ بڑے شوق سے قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے ہیں دل میں یہ جذبہ ہوتا ہے کہ یہ دور مکمل کرنا ہے درمیان میں کبھی ناغہ نہیں کریں گے مگر دو چار پارے پڑھ کر یہ جذبہ سرد پڑ جاتا ہے اور کئی ماہ کے بعد پھر جوش اٹھتا

ہے دوبارہ شروع کرکے پھر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ اس طرح پورا سال ابتداء کے دو تین پاروں کو دہراتے دہراتے گزر جاتا ہے بالخصوص پہلا پارہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور بار بار پڑھتے ہیں یہ پارہ سنتے سنتے ہماری مرغیوں کو بھی یاد ہو جاتا ہے۔

ذرا سوچئے کہ یہ ناغہ صرف تلاوت اور ذکر میں ہی کیوں ہوتا ہے کھانے پینے، سونے اور دنیا بھر کے دوسرے کاموں میں کیوں نہیں ہوتا؟ اصل بات یہ ہے کہ فکر نہیں، بے فکری کی وجہ سے دینی کاموں کا ناغہ ہو رہا ہے دنیا کے دھندوں کی چونکہ فکر سوار ہے اس لئے ان کا ناغہ بھی گوارا نہیں۔

اگر کسی کو ماہانہ تنخواہ ملتی ہو اور کام میں ناغہ کرنے پر تنخواہ کٹتی ہو تو کیا کبھی وہ ناغہ کرے گا؟ کبھی نہیں کرے گا، خواہ خود بیمار ہو جائے یا بیوی بیمار پڑ جائے، بچے پریشان ہوں، کچھ بھی ہو جائے ناغہ نہیں ہونے دیتا۔ دنیائے فانی کی خاطر اتنا اہتمام، ایسی فکر لیکن دین کی قدر اتنی بھی نہیں؟ قرآن مجید کی تلاوت چھوٹ جائے یہ گوارا ہے دوکان اور دفتر جانے کا ناغہ ہو یہ گوارا نہیں۔

قرآن کی دولت:

مسلمان کو معلوم ہی نہیں قرآن مجید کتنی بڑی دولت ہے، فرمایا:

﴿یایھا الناس قدجاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمة للمؤمنین ○ قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون ○﴾ (۱۰-۵۷،۵۸)

"اے لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف بڑی نصیحت اور دل کے امراض کے لئے شفاء آئی ہے، ایمان والوں کے لئے رہنمائی کرنے والی اور باعث رحمت ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے اس انعام اور رحمت سے خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ اس سے بہتر ہے جسے یہ

لوگ جمع کررہے ہیں۔"

یہ قرآن مجید اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے، اتنا بڑا خزانہ ہے کہ اس کا خیال کرکے تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے دنیا بھر کے خزانے جمع کرلیں مگر قرآن مجید کے سامنے یہ سب خزانے ہیچ در ہیچ ہیں۔ قرآن مجید کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ سوچئے کہ قرآن مجید کو سب سے بڑی دولت کیوں کہا جارہا ہے؟ آج کل کے مسلمان سے یہ بات پوچھیں تو شاید یہی جواب دے گا بس قرآن ہے اللہ کا کلام ہے اس لئے بڑی دولت ہے، یا یہ کہ بڑی پاکیزہ اور برکتوں والی کتاب ہے اس لئے اسے سب سے بڑی دولت کہا گیا ہے۔ وہ برکتیں کیا ہیں؟ کہ جی اس کے پڑھنے سے جن بھوت بھاگ جاتے ہیں، سفلی کا اثر ختم ہوجاتا ہے، کوئی درد ہو، تکلیف ہو، پڑھ کر دم کرنے سے اس کا اثر ختم ہوجاتا ہے اور ایک بڑی برکت یہ کہ نئی دوکان یا نیا مکان ہو اس میں کچھ لوگوں کو اکٹھا کرکے قرآن خوانی کروالو بس برکت ہی برکت ہوگی۔ اس قرآن مجید کی کوئی برکت ہو یا نہ ہو ایک نقد برکت تو کہیں نہیں گئی۔ وہ کیا؟ چائے بسکٹ تو مل ہی جائیں گے۔ یہ ہیں آج کے مسلمان کی نگاہ میں قرآن کی برکات لیکن اس کا سبب خود قرآن سے پوچھئے کہ اسے سب سے بڑی دولت کیوں کہا گیا؟ وہ اس کا سبب بیان کرتا ہے:

﴿قد جاء تکم موعظۃ من ربکم﴾

اس میں تمہارے لئے بڑی نصیحت ہے۔ "موعظہ" میں تنکیر تعظیم کے لئے ہے اس کے معنی ہیں "بڑی نصیحت" ایسے ہی آگے "شفاء" کے معنی ہیں "بڑی شفاء۔" "ہدی" کے معنی "بڑی ہدایت" اور "رحمہ" کے معنی "بڑی رحمت۔" دوسری بات یہ کہ کہنا تو یوں چاہئے کہ اس کتاب میں نصیحت ہے، اس میں شفاء ہے، اس میں ہدایت ہے، اس میں رحمت ہے، مگر مبالغہ کے لئے فرمارہے ہیں کہ یہ خود نصیحت ہے، شفاء

ہے، ہدایت ہے، رحمت ہے۔ پھر یہ اتنی بڑی نعمتیں کس کی طرف سے ہیں؟ اگر کوئی انسان کسی انسان کو سمجھائے نصیحت کرے تو دیکھنے والوں کو تردد ہوتا ہے وہ سوچتے ہیں کہ یہ اسے کیوں نصیحت کررہا ہے؟ واقعۃً ہمدرد اور خیر خواہ ہے یا دل میں کوئی طمع رکھتا ہے لیکن قرآن مجید سے متعلق فرمایا:

﴿موعظة من ربكم﴾

"یہ بڑی نصیحت تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے۔"

"رب" کے معنی:

"رب" کے معنی تربیت کرنے والا، آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانے والا۔ یہ بھی بتایا کہ پھر "رب" کس کا؟ فرمایا "ربکم" "تمہارا رب" ویسے تو وہ رب العٰلمین ہیں اس لئے یوں بھی کہہ سکتے تھے:

﴿موعظة من رب العلمين﴾

کہ یہ نصیحت رب العالمین کی طرف سے ہے لیکن اس کا زیادہ اثر نہ ہوتا۔ جیسے کوئی شخص اپنے والد سے بیزار ہو، اس کا خیال نہ کرے تو لوگ اسے شرم دلانے کے لئے کہتے ہیں ارے! یہ تمہارا باپ ہے۔ اب اگر اس کے دل میں ذرا بھی شرم وحیا ہو تو اثر لئے بغیر نہ رہے گا۔ سو بندوں کو احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں "من ربکم" کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے "من ربکم" زبان پر لاتے ہوئے مزا ہی آجاتا ہے۔ یا اللہ! واقعۃً آپ ہمارے رب ہیں۔ یا اللہ! ہمارے دلوں میں بھی ایسی صلاحیت پیدا فرمادے کہ آپ کا یہ خطاب سن کر نرم ہوجائیں اور اثر لئے بغیر نہ رہیں۔

قرآن مجید سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا خزانہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ

اس میں تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے نصیحت ہے، پھر یہ سمجھئے کہ ناصح کی نصیحت کا حق یہ ہے کہ اسے سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے اگر کوئی آپ کو نصیحت کرتا ہے اور آپ سامنے بیٹھے سر دھنتے رہیں مگر ناصح کی زبان ہی نہ سمجھیں تو بتایئے ایسی نصیحت کا کیا فائدہ ہوگا؟ اگر قرآن مجید عمل کی بجائے صرف برکت کی نیت سے پڑھا جائے تو اس سے برکت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ برکت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں اور یہ قرآن پر عمل کئے بغیر ممکن نہیں، بدون عمل قرآن پڑھنے سے اگر کوئی دنیوی فائدہ ہو بھی گیا تو وہ عارضی ہوگا اور بالآخر وبال ثابت ہوگا۔

قرآن پر عمل نہ کرنے والوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی شہادت:

قیامت کے دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے ان لوگوں کی شکایت کریں گے جو قرآن پر عمل نہیں کرتے، قرآن مجید میں ہے:

﴿وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجورا۝﴾ (۲۵-۳۰)

"اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل پس پشت ڈال رکھا تھا۔"

یہ آیت اگرچہ کافروں کے بارے میں ہے مگر ظاہر ہے جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود قرآن پر عمل نہیں کرتے وہ بھی اس میں داخل ہیں، قرآن اللہ تعالیٰ کے قوانین کی کتاب ہے اس کو عمل کرنے کے لئے اتارا گیا ہے مگر مسلمان کی حالت یہ ہے کہ اسے قرآن مجید کی تلاوت سے، اسے سمجھنے یا اس پر عمل کرنے سے کوئی سروکار نہیں۔ قرآن مجید اسے اس وقت یاد آتا ہے جب کوئی بیمار ہو یا کسی پر جن چڑھ جائے، سفلی ہو جائے۔

اب بھاگتے ہیں عاملوں کی طرف۔ بے عمل عامل بھی انتظار میں بیٹھے ہیں جیسے ہی کوئی پریشان حال جاہل ان کے ہاتھ آئے اسے یہ کہہ کر قابو کرتے ہیں کہ قرآن سے تمہارا علاج کررہے ہیں، آیات شفاء لکھ لکھ کر پلا رہے ہیں، مختلف آیات پڑھ پڑھ کر دم کر رہے ہیں، پھونکیں مار رہے ہیں۔ یہ قرآن کا حق اداء ہورہا ہے۔ اللہ کے بندو! یہ اللہ کی کتاب پر کتنا بڑا ظلم ہے۔ اللہ نے اپنی کتاب اس لئے اتاری ہے کہ اسے پڑھا جائے، سمجھا جائے اور اس پر عمل کرکے باطنی امراض کا علاج کیا جائے، صاحب کتاب کو راضی کرکے اپنی دنیا و آخرت سنواری جائے۔ وہ اس کی صفت بتا رہے ہیں "شفاء لما فی الصدور" کہ یہ روحانی امراض کیلئے شفاء ہے مگر "بے عمل" عامل لوگوں نے قرآن کا اصل مقصد نظر انداز کرکے ان الفاظ کو لے لیا اور انہیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہے ہیں، ان کے تعویذ لکھ لکھ کر باندھ رہے ہیں، زعفران سے تعویذ لکھ کر یا طشتریوں میں لکھ کر گھول گھول کر پی رہے ہیں، مجھے ایک بار کسی نے پانی میں حل کئے ہوئے زعفران کی ایک بوتل لادی اور کہا کہ اس سے تعویذ لکھا کریں، میں نے یہاں افتاء کا کام کرنے والے علماء کو پلادی کہ یہ حضرات دماغی کام کرتے ہیں، زعفران مقوی دماغ ہے۔

ان عاملوں نے قرآن مجید کا مطلب ہی بدل دیا۔

قرآن مجید میں تحریف:

یہ تو وہی قصہ ہوگیا کہ ایک بار انتخابات میں ایک سیاسی پارٹی نے اپنا انتخابی نشان "ہل" رکھ دیا "ہل" کا لفظ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ آیا ہے۔ اس جماعت کے پرستار قرآن مجید کی آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو تأثر دینے لگے کہ دیکھو ہماری جماعت کیسی خوش نصیب جماعت ہے جس کا انتخابی نشان قرآن مجید میں ہے۔ ان ظالموں نے اپنی سیاست چمکانے کے لئے قرآن مجید میں تحریف کرڈالی۔

آج کل کی سیاست بھی ایک ایسی لعنت ہے جس کے گلے پڑجائے اس کا علم و عمل

ہی نہیں عقل و دماغ اور ہوش وحواس بھی سلب کر لیتی ہے، ایمان تک خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ اس آفت سے بچائے۔

قرآن مجید کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ دنیا بھر کی نعمتوں سے بڑی نعمت اور دنیا بھر کے خزانوں سے قیمتی خزانہ ہے۔

فرمایا:

﴿هو خير مما يجمعون﴾

دنیا میں یہ لوگ جو کچھ جمع کر رہے ہیں اس سے زیادہ بہتر ہے۔ ''خیر'' اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس میں زیادتی کے معنی پائے جاتے ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ قرآن دنیا بھر کے خزانوں سے بہت بہتر اور بہت افضل ہے اس لئے کہ یہ بڑی نصیحت ہے۔ اس عظیم نصیحت کو جو انسان قبول کرلے گا، اس کے مطابق زندگی کو ڈھال لے گا، اس کی زندگی میں انقلاب آجائے گا، دل کی کیفیت بدل جائے گی، اس میں حب دنیا کی بجائے آخرت کا شوق پیدا ہوگا۔ جب دل میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تو برائی کی بجائے نیکی کی طرف اس کا میلان ہوگا برے اعمال از خود چھوٹ جائیں گے، نیک اعمال اس کے لئے آسان ہو جائیں گے ان کی توفیق ہوگی، آگے فرمایا:

﴿وهدى ورحمة للمؤمنين﴾

جب نصیحت حاصل ہوگئی اور روحانی امراض سے شفاء مل گئی تو سیدھی راہ پر چلنا آسان ہوگیا، اصل میں دارومدار دل پر ہے۔ جب تک کسی کا دل نہیں بنتا اسے سیدھا راستہ نظر نہیں آتا جب دل بن گیا اور سیدھا راستہ نظر آگیا جس پر اس نے چلنا شروع کردیا تو یہی اللہ کی رحمت ہے یہ مؤمنین کے لئے اللہ کی رحمت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ مسلمان کے لئے قرآن جیسی عظیم دولت موجود ہے مگر اسے قرآن پڑھنا یاد نہیں رہتا اس میں ناغہ ہو جاتا ہے لیکن دنیا کے جس کام میں پھنسیں،

تیس روپے یومیہ نقصان ہوتا ہو اس کا ناغہ برداشت نہیں کرسکتا خواہ بیوی بچے بیمار ہوں بلکہ خود بھی بیمار ہو لیکن ناغہ نہیں کرے گا۔ بس اسی سے اندازہ کرلیجئے کہ دل میں دنیا کی کتنی قدر وقیمت ہے اور اس کے مقابلے میں قرآن کی کتنی وقعت ہے۔

مراقبۂ موت کا اہتمام:

روزانہ مراقبۂ موت کا اہتمام ہر مسلمان کو لازماً کرنا چاہئے دو تین منٹ روزانہ سوچ لیا کریں حدیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اکثروا من ذکر هازم اللذات الموت﴾ (ترمذی)

"موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذتوں کو ختم کردینے والی ہے۔"

یاد بھی اسی طریقے سے کیجئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت آکر ایک دن دنیا بھر کی تمام لذتوں کو ختم کردے گی، بیوی بچے، مال و اسباب دنیا بھر کی خوشیاں، بس جان نکلنے کی دیر ہے کہ سب ختم۔

مراقبۂ موت کے فوائد:

موت کو یاد کرنے کے فائدے بیان کررہا تھا۔ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ موت کو یاد رکھنے والے مسلمان کی زندگی گناہوں کی آلودگی سے پاک رہتی ہے۔ ذرا سوچئے! انسان جو گناہ کرتا ہے اس میں کن چیزوں کا دخل ہے؟ کون سی چیزیں ہیں جو اسے گناہ پر ابھارتی ہیں؟ عام طور پر انسان اپنے نفس کی لذت کے لئے گناہ کرتا ہے مگر یہ بات ہمیں آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ ڈاڑھی منڈانے میں کیا لذت ہے؟ یہ ہمیں تو سمجھ میں نہیں آتی کسی ڈاڑھی منڈے سے پوچھ لیجئے۔ عام گناہ تو نفسانی لذت کی خاطر کئے جاتے ہیں یا مال و دولت اور عزت و اقتدار کی محبت میں انسان گناہ کرتا ہے یا پھر بیوی

بچوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے، گناہ کے جتنے اسباب ہیں موت آکر سب کی جڑ کاٹ دیتی ہے نفسانی خواہشات مال واسباب، عزت واقتدار کا گھمنڈ، بیوی بچے غرض دنیا کی ہر چیز موت آتے ہی دھری کی دھری رہ جائے گی ؎

چو آہنگ رفتن کند جان پاک
چہ برتخت مردن چہ برروئے خاک

موت خواہ تخت شاہی پر آئے یا زمین پر ایک ہی بات ہے مگر خاک نشین کی بنسبت تخت پر جان دینے والے کو حسرت ہوگی۔ جتنی بڑی دولت اور جتنی بڑی سلطنت ہوگی مرتے وقت اتنی ہی زیادہ حسرت ہوگی، بچارے کی جان اتنی مشکل سے نکلے گی لیکن اگر دنیا کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو غالب رکھے، مال کی آمد وخرچ اللہ کی رضا کے مطابق ہو، اس سے ایک دنیا چھوڑ ہزاروں دنیا چھوٹ جائیں، اسے کوئی حسرت نہ ہوگی بلکہ وہ تو یہ سوچ کر خوشی سے رخصت ہو جائے گا کہ مال ودولت، اقتدار اور سلطنت حتی کہ جسم وجان بھی کسی کی امانت تھی جو اس نے واپس لے لی۔

جو انسان موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے وہ کبھی دنیا میں پریشان نہیں ہوتا۔ جو موت کو جتنا یاد کرے گا اسی قدر پریشانیوں سے نجات پائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص موت کو یاد کرکے اپنی آخرت بنانے میں لگ جائے اس سے اللہ تعالیٰ خوش رہتے ہیں اور پریشانیوں سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں، یہ شخص اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور کوئی محب بھی اپنے محبوب کو پریشان نہیں کرتا۔ دنیا اور دنیا کی سب چیزیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے موت کو یاد کرنے سے فانی کی محبت دل سے نکل جاتی ہے، فانی سے جس قدر محبت کٹے گی باقی سے اسی قدر جڑے گی۔

شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ:

شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ اکثر بتاتا رہتا ہوں، ان کی ہدایت کا اللہ

تعالیٰ نے غیب سے سامان فرمایا کہ ان کی دکان کے سامنے ایک شخص آکر کہنے لگا آپ سارا دن ان چپکنے والی چیزوں میں گھرے رہتے ہیں آپ کی جان کیسے نکلے گی؟ اس کا مطلب سمجھانا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ یہ مطلب سمجھتے ہوں گے کہ چپکنے والی چیزوں سے مراد وہ میٹھی چیزیں ہیں جو عطار کی دوکان پر ملتی ہیں جیسے مربہ جات، خمیرے، شربت اور دوسری چاشنی والی چیزیں، یہ تو ظاہری مطلب ہوا لیکن حقیقی مطلب یہ ہے کہ آپ نے دنیا سے تعلقات ایسے بڑھا رکھے ہیں کہ ایک ایک چیز دل کے ساتھ چپکی ہوئی ہے۔ بیوی بچوں کی محبت، کاروبار اور دکان کی محبت، پیسے کی محبت غرض دنیا کی فانی چیزوں کو ایک ایک کرکے دل سے چپکائے بیٹھے ہیں اور محبوب حقیقی کو بھول چکے ہیں۔ اتنی چیزوں سے جس کا دل اٹکا ہوا ہو مرتے وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ اسے تو یہی فکر دامن گیر ہوگی کہ اب میری دولت، میرے کاروبار، میرے بیوی بچوں کا کیا بنے گا؟ سوچئے اس کی جان کتنی تکلیف سے نکلے گی؟ انسان کا فانی چیزوں سے جتنا تعلق گھٹے گا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی تعلق بڑھے گا اور اللہ سے جتنا تعلق بڑھے گا جان اتنی ہی آسانی سے نکلے گی۔ یہ ہے شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصے کا مطلب۔ جب اللہ تعالیٰ سے محبت کا رشتہ جڑ گیا پھر انسان کیسی ہی پریشانی میں ہو، کیسی ہی تکلیف میں ہو، اسے تکلیف محسوس نہیں ہوگی، وہ یہ سوچ کر تکلیف میں بھی راحت محسوس کرے گا کہ میرا محبوب میرے ساتھ ہے محبوب جب ساتھ ہو تو بڑی سے بڑی تکلیف بھی آسان ہو جاتی ہے۔ بقول شاعر ؂

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

کہتا ہے ویسے بیمار ہوں، مرا جا رہا ہوں، بڑی سخت تکلیف میں ہوں، مگر جیسے ہی محبوب سامنے آیا یک دم ساری بیماری اور تکلیف بھول گیا، نبض تیز ہوگئی، خون میں جوش آگیا اور چہرے پر رونق آگئی۔ جو چہرہ تکلیف اور بیماری کی وجہ سے مرجھایا ہوا تھا

محبوب کا دیدار ہوتے ہی کھل اٹھا۔ محبوب تو اسے بیمار سمجھ کر بیمار پرسی کے لئے آیا تھا مگر چہرے کی یہ رونق اور تازگی دیکھ کر وہ سمجھا کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔ یہ تو ایک فانی محبوب کی فانی محبت کی تأثیر تھی، سوچئے جسے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے محبت ہوگئی اس کے چہرے کی رونق اور دل کی راحت کا کیا حال ہوگا ؎

میں دل پر جو اس کا کرم دیکھتا ہوں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتا ہوں

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

دلے دارم جوہر خانۂ عشق است تحویلش
کہ دارد زیر گردون میر سامانے کہ من دارم

میں ایسا دل رکھتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک پورا جواہر خانہ ہے، پوری دنیا کو تحدی (چیلنج) کر رہے ہیں کہ میں جیسا دل رکھتا ہوں ایسا دل دنیا میں کسی کے پاس ہے تو پیش کرے کون ہے ایسے دل والا؟ ؏

کہ دارد زیر گردون میر سامانے کہ من دارم

آسمان کے نیچے پوری روئے زمین پر کہیں بھی ایسا دل ہو تو ہمیں بتاؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دل میں اللہ کی محبت سماگئی ہو اس جیسا دل دنیا میں کہیں نہیں مل سکتا۔ ایک حدیث قدسی مشہور ہے:

﴿انا عند المنکسرۃ قلوبھم من اجلی﴾

کشف الخفاء میں ہے: "لا اصل لہ فی المرفوع۔" مگر اس کا مضمون صحیح ہے کہ جن کے دلوں میں انکسار اور شکستگی ہے، ہماری محبت نے جنہیں توڑ پھوڑ کر فناء کر دیا ہے میں ان کے دلوں میں بستا ہوں۔ سو جس دل میں اللہ کی ذات بستی ہو اس جیسا دل کوئی کہاں سے لائے؟

لقاء محبوب:

حافظ شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

حضوری گرہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ
متی ماتلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

جب محبوب سے ملاقات ہوجائے تو دنیا کا خیال چھوڑ دو۔ جس دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوگئی گویا وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ملاقات میں مشغول ہے لقاء محبوب کے بعد اسے دنیائے فانی کی کیا پروا رہے گی کہ وہ تو نشۂ محبت سے سرشار رہے گا اسے اس سے کیا سروکار کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے۔ اور کیا نہیں ہورہا ؎

ساقیا برخیز دردہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را

اے ساقی! مجھے شراب محبت کا ایسا پیالہ پلادے کہ پوری دنیا سے بے خبر اور غافل ہوجاؤں، زمانہ بھر میں کیا ہورہا ہے اور کیا ہوتا رہا ہے یا آیندہ کیا ہوگا ان سب باتوں پر خاک ڈالوں، ایک جام محبت کے سامنے یہ ساری دنیا ہیچ ہے۔ یہ ہیں محبت کے کرشمے۔

اس سے زمانے کے وہ حالات مراد ہیں جن کا دین سے کوئی تعلّق نہیں، دین کے تقاضوں کے مطابق زمانہ کے حالات سے باخبر رہنا اور اپنی استطاعت کے مطابق اشاعت دین کی کوشش کرنا فرض ہے۔

محبت کی دھن میں جب انسان مست رہتا ہے تو اسے تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا ؎

دنیا سے جب ہو رخصت یا رب غلام تیرا
دل میں ہو دھیان تیرا لب پر ہو نام تیرا

جس نے زندگی میں اس کی مشق کرلی کہ دل و دماغ میں ہر وقت محبوب کا دھیان رہے زبان پر اسی کا نام رہے تو ایسے شخص کی انشاء اللہ تعالیٰ مرتے دم بھی یہی کیفیت ہوگی وہ تو اسی دھن میں ہوگا اسے تکلیف کہاں ہوگی؟

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کے بندوں کی روح اتنی آسانی سے نکلتی ہے جیسے بھرے ہوئے مشکیزے کی ڈوری کھول دی جائے(۷۹ - ۲)

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا موت کی تکلیف آپ کو کیسی محسوس ہوئی؟ آپ نے فرمایا، مجھے تو پتا ہی نہیں موت کب آئی. کیسے آئی۔ کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا اسی سوچ اور استغراق میں روح پرواز کرگئی جب ذرا ہوش آیا تو دیکھا دوسرے عالم میں پہنچا ہوا ہوں۔ جاتے جاتے بھی دین کا مسئلہ سوچ رہے تھے۔

میں اپنی تسکین کے لئے ایک نسخہ استعمال کرتا ہوں، کبھی شوق پرواز بہت غالب آتا ہے اور دل میں خیال آتا ہے کہ کب تک پڑے رہیں گے اس مسافر خانے میں، کسی نے خط میں لکھا ؎

عمر بھر میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

میں نے اس پر خط کھینچ کر لکھا کہ میرے حال کے مطابق دوسرا مصراع یوں ہونا چاہئے ؎

عمر بھر میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گزری ہیں کٹھن
اک وہاں جانے سے پہلے اک یہاں آنے کے بعد

شوق وطن ستانے لگتا ہے تو یہ سوچ کر دل کو تسلی دیتا ہوں کہ الحمد للہ! ایک طرح سے یہاں بھی جنت میں ہیں بس جب وقت آئے گا تو محبوب کا حکم ہوگا کہ اس کونے

سے اٹھ کر اس کونے میں چلے جاؤ۔ اس سے کچھ تسکین ہو جاتی ہے ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب ان کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آٹھہرے کبھی اس گھر میں جاٹھہرے

جو اللہ کی رضا جوئی میں مشغول ہو اس کے لئے پریشانی کہیں نہیں وہ یہاں بھی جنت میں ہے۔ دل اگر اللہ کی محبت میں سرشار ہو تو دنیا میں بھی لذت و فرحت اور رحمتوں کی بارش ہے اور آخرت میں بھی۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ جس نے فانی کو نظر انداز کر دیا اور ایک باقی کے ساتھ محبت کا رشتہ جوڑ لیا اس کے لئے کوئی غم نہیں، کوئی پریشانی نہیں، وہ تو ہر وقت یہی محسوس کرتا ہے کہ میرا محبوب میرے ساتھ ہے، اسے تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوتا اگر وہ کسی بڑی تکلیف یا پریشانی سے دوچار ہو اور اسے تکلیف کا احساس ستانے لگے تو وہ یہ سوچ کر مطمئن بلکہ مسرور رہتا ہے کہ اسی میں میرا فائدہ ہے، میری سوچ ناقص ہے، مجھے اپنے نفع و نقصان کا صحیح علم نہیں، اللہ تعالیٰ کو میرے نفع و نقصان کی خبر ہے اور اس کو میرے ساتھ محبت کاملہ ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں میں بازار گیا تو دیکھا کہ ایک لونڈی فروخت کی جا رہی ہے۔ دیکھنے میں بیمار معلوم ہوتی تھی، مجھے اس پر ترس آیا اور ثواب کی خاطر خرید کر اپنے گھر لے آ،، رات ہوئی تو اس نے آرام کرنے کی بجائے وضوء کر کے نماز شروع کر دی نماز پڑھتی رہتی اور روتی جاتی وہ عبادت میں مشغول رہی، مجھے نیند آگئی وہ تو سمجھے تھے کہ بیمار ہے مگر اسے کوئی جسمانی بیماری نہ تھی درد دل میں مبتلا تھی جس نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

اہل اللہ کے حالات:

اہل محبت کے حالات مختلف ہوتے ہیں کوئی عشق کی آگ میں جل جل کر نڈھال

ہے اور کوئی سرور عشق میں خوش حال ہے کوئی سرور عشق میں ہنس رہا ہے۔ اور کوئی غم عشق میں رو رہا ہے ہر ایک اپنے حال میں مگن کسی کو ہنسنے سے کام، کسی کو رونے سے کام۔

ایک بار میں نے دعاء کی کہ یا اللہ! روتے روتے تو زمانہ گزر گیا ہے ؎

مدت ہوئی روتے نہیں تھمتے مرے آنسو
شاید کہ در آیا کوئی دریا مرے دل میں

اب کچھ زمانہ سرور کا بھی عطاء فرما، تاکہ تیرے دین کی خدمات کے لئے قویٰ زیادہ مدت تک کام دیں۔ جب سے کیفیت بدل گئی اب طبیعت ہشاش بشاش اور بہت خوش رہتی ہے ؎

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است
وبعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان است

اے میرے محبوب! تو نے پھول کے کان میں کیا کہہ دیا وہ ہنستا ہی چلا جا رہا ہے اور بلبل سے کیا کہہ دیا وہ روتا ہی چلا جا رہا ہے، بلبل پر ہر دم گریہ طاری ہے اور پھول پر ہنسی۔

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو خلیفے تھے ایک کا تو وصال ہو گیا دوسرے زندہ ہیں، پہلے بزرگ مولانا حبیب اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے ان کا لقب حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”ضحاک“ رکھا تھا، ”ضحاک“ کے معنیٰ ”بہت ہنسنے والا“ ہر وقت خوب قہقہے لگا لگا کر ہنستے رہتے تھے، ناواقف سمجھتے تھے کہ پاگل ہے، جب بھی دیکھو قہقہے لگا رہے ہیں۔ دوسرے بزرگ مولانا فقیر محمد صاحب جو اب بھی زندہ ہیں ان کا لقب حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”بکاء“ رکھا تھا ”بکاء“ کے معنیٰ ”بہت رونے والا“ ان پر ہر وقت گریہ طاری رہتا ہے، جب دیکھو سسکیاں بھر بھر کر اور بسا اوقات زور زور سے چلا چلا کر رو رہے ہیں۔ ناواقف سمجھتے کہ مکار صوفی ہے۔ کوئی سرور عشق میں ہر دم

ہنس رہا ہے، کوئی غم عشق میں ہر وقت رو رہا ہے۔ مالک کی مرضی بندے کو جس حال میں رکھے۔

وہ باندی بھی غم عشق میں نڈھال ہو رہی تھی بزرگ نے تو بیمار سمجھ کر خرید لیا تھا مگر اس کی یہ قوت و ہمت دیکھ کر حیران رہ گئے کہ نماز ختم ہی نہیں کرتی، محبوب کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے اور تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی ؎

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

پھر بہت دیر کے بعد دعاء میں مشغول ہوئی تو دعاء کیا کرتی ہے کہ یااللہ! تجھے جو میرے ساتھ محبت ہے اس محبت کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرے حال پر رحم فرما۔ بزرگ نے اس پر ٹوکا کہ یوں مت کہو، یہ ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی ہے، ہاں یوں کہو کہ یااللہ! مجھے جو تیرے ساتھ محبت ہے اس محبت کا واسطہ دیتی ہوں۔ اپنی محبت کا واسطہ دو، یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ کو تمہارے ساتھ محبت ہے۔ وہ بولی اگر میرے محبوب کو میرے ساتھ محبت نہ ہوتی تو یہ معاملہ نہ فرماتے کہ تمہیں بستر پر لٹا دیا اور مجھے اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر یہ اشعار پڑھے ؎

الکرب مجتمع و الصبر مفترق
والقلب محترق والدمع مستبق
کیف القرار علی من لا قرار له
مما جناه الهویٰ والشوق والقلق
یارب ان کان شیء فیه لی فرج
فامنن علی به مادام بی رمق

مطلب یہ ہے کہ درد جمع ہو رہا ہے اور صبر چھوٹ رہا ہے، آنسو بے اختیار بہ رہے

ہیں اور دل جلا جا رہا ہے۔ جس کو عشق نے بیمار کر دیا ہو اس کو قرار کیسے آسکتا ہے۔ پھر کہا: میرے اور محبوب کے درمیان محبت کا معاملہ آج تک تو راز میں تھا مگر آج یہ راز فاش ہو گیا یا اللہ! اب میں دنیا میں رہنا نہیں چاہتی یہ کہہ کر گر پڑی اور ساتھ ہی انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی درد محبت کا ایک ذرہ عطاء فرمادیں۔

سوختہ دل انسان کو مصیبت اور پریشانی کے وقت یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے ساتھ دشمنی نہیں بلکہ محبت ہے، مجھ پر جو حالات گزر رہے ہیں ان کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے وہ میرے حالات بدلنے پر پوری طرح قادر ہیں پھر بھی بدل نہیں رہے تو اس میں میرا ہی نفع ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ انہیں علم کامل ہے قدرت کاملہ ہے محبت بھی کاملہ ہے پھر بھی حالات نہیں بدل رہے، یقیناً میرا ہی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو بندوں سے محبت ہے ہی لیکن کسی نے گناہ کر کر کے اس رشتۂ محبت کو توڑ ڈالا تو مایوس ہونے کی بجائے فوراً توبہ کر کے اس رشتۂ محبت کو جوڑ لیں۔ ایک انسان کا دوسرے انسان سے رشتۂ محبت ٹوٹ جائے تو دوبارہ نہیں جڑتا یا جڑتا ہے تو بڑی مشکلوں سے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ بندہ اگر نافرمانی کر کے بغاوت اختیار کر کے اس رشتۂ محبت کو توڑ دے تو بھی اس کا کچھ نہیں گیا توبہ واستغفار کر کے پھر سے جوڑ سکتا ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط کر سکتا ہے۔

مراقبۂ موت کے مزید فوائد:

پہلا فائدہ:

بیان چل رہا ہے کہ موت کو یاد کرنے میں کیا کیا فوائد ہیں ان میں سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب انسان اپنی موت کو سوچے گا کہ مجھے ایک دن مرنا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے تو دین و دنیا کا ہر کام سوچ سمجھ کر

کرے گا، بالخصوص دین کا ہر کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مطابق کرے گا اس میں اپنی خواہش اور عقل کو دخیل نہیں بنائے گا، سوچے گا کہ جب مقصد زندگی اللہ کی رضا ہے تو وہ راضی صرف اسی طریقے سے ہو گا جو خود اس نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا۔ دین کے احکام کی جو صورت و کیفیت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی اسی کے مطابق وہ انہیں پورا کرے گا، سوچے گا مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے کل قیامت کے روز کسی عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا کہ ہم نے تو یہ حکم نہیں دیا تھا تم نے کہاں سے نکال لیا؟ تو میرے پاس کیا جواب ہو گا، غرض یہ کہ جس حد تک انسان موت کا مراقبہ کرے گا بدعات ورسوم سے بچا رہے گا۔

بدعت دراصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے بدعتی اللہ تعالیٰ کی حکومت کے مقابلے میں اپنی متوازی حکومت قائم کرتا ہے۔

دوسرا فائدہ:

مراقبہ موت کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان جتنا موت کو سوچے گا اتنا ہی گناہوں سے بچا رہے گا کیوں کہ ہر گناہ کے وقت یہ خیال آئے گا کہ مجھے مرنا ہے قبر میں جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے وہاں ان گناہوں کا کیا جواب دوں گا؟ تھوڑی سی نفسانی لذت کی خاطر جہنّم کا ایندھن بن جاؤں یہ کتنی بڑی حماقت ہو گی اس کو سوچنے سے گناہ چھوڑنے کی ہمت پیدا ہو جائے گی۔ بہت سے گناہ اور بدعات انسان اس لئے کرتا ہے کہ کہیں احباب و اقارب ناراض نہ ہو جائیں ان کی خاطر گناہ کرتا ہے لیکن جب سوچے گا کہ کل اس گناہ کی پاداش میں جہنّم میں جانا پڑا تو یہ احباب و اقارب وہاں کیا کام آئیں گے، جب سوچے گا ہمت بلند ہو گی، یاد رکھئے یہ تعلقات اور رشتہ داریاں دنیا کی حد تک ہیں قیامت میں یہ لوگ کچھ کام نہ آئیں گے، جہنّم میں جانے والے لوگ

بھی یہی عذر تراشیں گے کہ ہمیں شیطان نے بہکایا تھا تو وہ جواب دے گا کہ میں نے کان پکڑ کر کسی سے زبردستی گناہ نہیں کروائے تھے، میں تو صرف گناہوں کی ترغیب دیتا تھا، گناہ تو سب لوگ اپنے اختیار سے کرتے تھے، لہٰذا آج مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو، میری کوئی حکومت وسلطنت تو نہ تھی کہ تمہیں مجبور کرتا، اب رونے پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں ہم تم جہنّم میں اکٹھے ہی رہیں گے۔ جو لوگ حکام کے خوف سے یا احباب واقارب کی مروت میں آکر آج گناہوں میں مبتلا ہیں وہ اس بات کو سوچیں اور بار بار سوچیں کہ کل اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ لوگ کیا کام دیں گے؟

موت کو یاد کرنے سے ہمت بلند ہوگی اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ جن لوگوں کا خوف سوار ہے یا جن لوگوں کو راضی کرنے کی فکر ہے یہ سب فانی ہیں، یہ راضی رہیں یا ناراض ہوں کوئی فرق نہیں پڑتا، راضی تو اس ذات کو کرنا ہے جو باقی ہے۔

تیسرا فائدہ:

مراقبۂ موت کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ حب مال اور حب جاہ کا مجرب علاج ہے یوں جاہ اور مال تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور نعمت کوئی بھی بری نہیں ہوتی، اصل برائی جاہ اور مال کی ہوس میں ہے۔

ہوس کا مطلب یہ ہے کہ کمانے کی حرص میں شریعت کی حدود سے تجاوز کرجائے مال کمانے میں حرام وحلال کی تمیز اٹھادے اور مال میں شریعت نے جو حقوق عائد کئے ہیں ان کو ضائع کردے، زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور قربانی وغیرہ اداء نہ کرے یا بیوی بچوں کا نفقہ اداء نہ کرے یا یہ کہ کماتا تو حلال طریقے سے ہے حقوق مالیہ بھی اداء کرتا ہے مگر مال کی محبت میں گرفتار ہے ہر وقت یہی فکر سوار ہے کہ کہیں سے روپیہ آجائے۔

رات بھر بیدار رہ کر یہی وظیفہ پڑھ رہا ہے کہ پیسہ کہیں سے آجائے کہیں سے آجائے۔ پندرھویں شعبان اور شب قدر میں بھی یہی دعاء اور یہی وظیفہ، دماغ پر پیسہ

مسلط ہے، تفریح کے لئے کہیں جائیں وہاں بھی یہی خیال، ان لوگوں کی تفریح کیا خاک ہوتی ہے۔

ایک شخص نے بتایا کہ سالہا سال سے ان کا معمول ہے کہ صبح اٹھ کر نہاتے ہیں، تفریح اور ورزش کرتے ہیں اور اس کے بعد بھی نہاتے ہیں لیکن پھر بھی بیمار ہیں۔ جو لوگ حب مال کے مریض ہیں ان مریضوں کو کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوتا مقوی سے مقوی غذائیں کھالیں ورزش کریں تفریح کریں کچھ بھی کرلیں ان پر کوئی اثر نہ ہوگا یہ مریض کے مریض ہی رہیں گے۔

تفریح کا مطلب تو یہ ہے کہ تفکرات اور دنیوی جھمیلوں سے اپنے آپ کو فارغ کرکے قدرتی مناظر کو دیکھے، اس سے صحت پر بھی اچھا اثر پڑے گا اور اللہ کی معرفت بھی حاصل ہوگی۔

جن کو اللہ تعالیٰ بصیرت کی آنکھ عطاء فرماتے ہیں انہیں ایک ایک پتی میں اللہ کی قدرت کے دفتر نظر آتے ہیں۔

الحمد للہ! میرا ایک رمضان بھی اسی مزے سے گزرا، باغ قریب ہی تھا عصر کے بعد نکل جاتا اور باغ میں اکیلے بیٹھ کر کسی درخت کی کسی ایک پتی کو دیکھنا شروع کردیتا، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صنعت گری میں غور کرتا کہ اس نے کس طرح اسے بنایا، پھر کہاں کہاں سے خوراک پہنچائی اس کی ابتداء یہاں سے ہوئی اور انتہاء کہاں ہوگی؟ دیر تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سوچتا رہتا۔ تفریح کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سوچیں اور اس سے محبت بڑھائیں، مگر لوگ وہاں جاکر بھی واہی تباہی بکتے رہتے ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے وہ جہاں بھی بیٹھتے ہیں محبوب کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

اصل شعر تو یوں تھا ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگ نہ تیری سی بو ہے

لیکن حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ شاعر عارف نہیں تھا عارف ہوتا تو یوں کہتا ۔

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت، تری ہی سی بو ہے

اے محبوب! ہمیں تو ایک ایک پتی میں تیرا ہی جلوہ نظر آرہا ہے ہر پھول میں تیری ہی رنگت اور تیری ہی بو ہے ۔

پیر ما سر عالم مستی با دل ہوشیار می گوید
مرغ دستان سرائے روضۂ راز صبحدم زار زار می گوید

کہ بچشمان دل مبین جز دوست
ہرچہ بینی بدانکہ مظہر اوست

اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے تو ہر چیز میں ان کا جلوہ نظر آئے گا حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

حقا کہ درجان فگار و چشم بیدارم توئی
ہرچہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

میرے محبوب! میرے دل میں، میری جان میں تو ہی بسا ہوا ہے اور میری آنکھ میں بھی تو ہی سمایا ہوا ہے، دل وجان میں اور آنکھ میں تو ایسا بس گیا ہے کہ ہر چیز میں تیرا ہی جلوہ نظر آتا ہے ہر جگہ تو ہی تو ہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ کسی کا بیٹا کہیں باہر چلا گیا، شام کے وقت اس کی واپسی تھی مگر وہ نہ آیا، رات ہو گئی دیر ہوتی جارہی ہے والدین پریشان بیٹھے ہیں کہ بیٹا کیوں نہیں آیا، باہر سے کہیں سے ذرا سی آہٹ محسوس ہو تو چونک

اٹھیں گے کہ بیٹا آگیا، اشتیاق اور انتظار کی حالت میں انسان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ جب ایک انسان کی محبت اس قدر بے چین کر دیتی ہے تو اللہ کی محبت ایسا کرشمہ کیوں نہیں دکھا سکتی؟

درس عبرت:

اہل اللہ کی محبت کا حال:

ایک شخص آواز لگا کر سنگترے بیچ رہا تھا "اچھے سنگترے، اچھے سنگترے" ایک بزرگ کے کان میں آواز پڑی بے ہوش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو پوچھا گیا کہ کیا ہو گیا تھا؟ فرمایا "اچھے سنگ ترے" یہ معرفت کی بات سن کر بے خود ہو گیا۔ سنگ کے معنی ساتھی یعنی اچھے ساتھی کے ساتھ تیر گئے جس نے اچھے ساتھیوں کا ہاتھ پکڑا اس کا بیڑا پار ہو گیا۔ وہ اپنے سنگترے بیچ رہا ہے اور یہ اپنے خیال اور تصور میں مگن ہیں۔

جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک خاتون مسئلہ پوچھنے آئیں کہ میرا شوہر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا جائز ہے، شریعت نے تو چار تک کی اجازت دی ہے بشرطیکہ ان میں عدل قائم رکھ سکے، خاتون کہنے لگیں میں بہت خوبصورت ہوں میرے ظاہر و باطن میں کوئی عیب نہیں پھر بھی وہ دوسری شادی کرنے پر مصر ہے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ کیسے ناجائز کہتے مسئلہ تو بہر حال یہی ہے کہ بیوی کیسی ہی حسین ہو، دوسری شادی جائز ہے۔ پھر اس نے کہا اگر شریعت میں پردہ کا حکم نہ ہوتا تو میں نقاب اٹھا کر دکھا دیتی کہ میں کس قدر حسین ہوں، مجھ جیسی حسین جس کے گھر میں ہو اسے کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی کیا ضرورت، آپ فیصلہ کریں۔ یہ سن کر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ بے ہوش ہو گئے وہ عورت تو ڈر کے مارے بھاگ گئی، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو خدام نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ جاننے والے لوگ ان کی بے ہوشی سے پریشان نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کے

سامنے یہ معمول کی بات تھی ؎

بھلا وہ دل پڑیں جس دل پہ دورے درد الفت کے
سکوں کس طرح سے آئے اسے کیسے قرار آئے

یہاں یہ حالت رہتی ہے کہ "اچھے سنگترے" سن لیا تو بے ہوش ہوگئے اگر "نقاب الٹ دوں" کا جملہ سن لیا تو بے ہوش ہوگئے، بزرگوں کا یہ حال دیکھ کر لوگ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے طرف نہیں بھاگتے تھے صرف بے ہوشی کی وجہ پوچھ لیتے تھے، وہ بھی اپنے فائدے کے لئے کہ ہمیں بھی سبق مل جائے۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب خاتون نے یہ کہا کہ "اگر شریعت میں پردے کا حکم نہ ہوتا تو میں نقاب اٹھا کر دکھا دیتی کہ مجھ جیسی حسین جس کے گھر میں ہو اسے غیر کی طرف نگاہ اٹھانے کی کیا حاجت؟" یہ سن کر وہ حدیث میرے ذہن میں آگئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس حال میں چھوڑ آئے ہیں کہ تیری پاکی بیان کررہے تھے اور تیری بڑائی بیان کررہے تھے اور تیری تعریف کررہے تھے، پھر پوچھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے دیکھا ہے فرشتے کہتے ہیں نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بن دیکھے ان کی محبت کا یہ عالم ہے تو اگر مجھے دیکھ لیں تو کیا حال ہو۔ (متفق علیہ)

اس پر مجھے وہی بات یاد آگئی کہ میرے اللہ کا حسن اور اس کا جمال دیکھ لیں تو بندوں کا کیا حال ہو۔ ان حضرات کا حال بھی وہی ہے جو حضرت جامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری جان میں بھی تو ہی بسا ہوا ہے میری آنکھ میں بھی تو ہی سمایا ہوا ہے اور جس چیز پر نظر پڑتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ بس تو ہی تو ہے۔

مال کی ہوس:

میں بتا رہا تھا کہ مال کی ہوس مذموم ہے جو شخص کمانے میں حرام اور مشتبہ مال سے

پرہیز کرتا ہے، اہل حقوق کے حقوق بھی اداء کرتا ہے، لیکن دنیا کمانے میں خرکار کا گدھا بنا ہوا ہے دن رات روپیہ کمانے میں سرگرداں ہے تو یہ بھی بدترین ہوس ہے۔ اگر ان تینوں باتوں سے پاک ہے اور یہ سمجھ کر کماتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کمانے میں اعتدال سے کام لیتا ہے، اپنے آرام و راحت کا خیال رکھتا ہے، اپنے نفس کے حقوق اداء کرتا ہے، اپنے وقت کا بھی خیال رکھتا ہے، بیوی بچوں کی بھی رعایت کرتا ہے تو یہ ہوس نہیں، ایسا مال اللہ کی رحمت ہے۔ حلال طریقے سے کمائے اور نظر اللہ تعالیٰ پر رکھے کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اس کے باوجود تحصیل رزق کے لئے یہ محنت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ان کا حکم ہے صرف تعمیل حکم میں یہ محنت کر رہے ہیں ایسا مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، دنیا نہیں بلکہ دین ہے مگر ایسے مسلمان کہیں خال خال ملتے ہیں۔

اکثر کی حالت تو یہ ہے کہ مال کی ہوس میں نہ اپنی جان کی پروا نہ وقت کا کچھ خیال بس چوبیس گھنٹے ایک ہی دھن ہے، سودا سلف لانا ہو تو بیوی لائے، مسئلہ پوچھنا ہو تو بھی بیویاں پوچھتی ہیں، شوہر صاحب کو مال کمانے سے فرصت ہی نہیں۔ یہ تفصیل تو مال سے متعلق تھی۔

عزت و منصب:

عزت و منصب تو ہے ہی وہی چیز اگر کوئی ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ ہوس ہے، مال و دولت کمانے میں تو کسی حد تک انسان کی کوشش کا بھی دخل ہے مگر عزت و منصب کی تحصیل میں کوشش کا کوئی دخل نہیں یہ منجانب اللہ عطاء ہوتی ہے، آپ کہیں گے کہ یہ صدر اور وزیر اعظم تو بڑی عزت میں ہیں، یہ عزت نہیں عزت کا دھوکا ہے۔ کوئی سائل اور گداگر تو دو چار لوگوں سے بھیک مانگتا ہے مگر یہ تو پورے ملک سے بھیک مانگتے ہیں پھر دنیا بھر کی گالیاں بھی ان کے سر پر، یہ عزت ہے یا ذلت؟ عزت

صدارت یا وزارت میں نہیں بلکہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے چاہے عطاء کرے، وہ کیسے عطاء کرتا ہے سنئے:

﴿ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن ودا﴾ (۱۹-۹۶)

"بلاشبہہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کردے گا۔"

عزت کا مدار دو چیزیں ہیں ایمان اور اعمال صالحہ، مسلمان بن کر اللہ کی نافرمانی چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں از خود محبت پیدا فرمادیں گے یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اس طریقے سے اگر آپ نے عزت حاصل کی تو وہ حقیقی عزت ہے اس کے سوا عزت حاصل کرنے کا دنیا میں کوئی طریقہ نہیں۔

بزرگوں پر ستم:

کل کے بیان میں بتایا تھا کہ کسی بزرگ کے مرنے پر اس کی نالائق اولاد، اس کے نالائق مرید اور نالائق شاگرد اس پر کیا کیا ظلم ڈھاتے ہیں۔ رسم رونمائی کی خاطر گھنٹوں گھنٹوں میت کو روکے رکھتے ہیں۔ اس کی تصویریں لی جاتی ہیں، تصویروں کے لئے خود فوٹو گرافروں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ ظلم دیکھ دیکھ کر میں تو دعاء کیا کرتا ہوں:

"یا اللہ! میرے مرنے کے بعد ایسی نالائق اولاد ایسے نالائق مریدوں اور نالائق شاگردوں سے میری حفاظت فرما، ان سب کو اپنی رحمت سے لائق بنادے، اگر کوئی بدنصیب ہی رہ گیا تو پھر یا اللہ! میری اس سے حفاظت فرما۔"

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ نالائق مرید اور نالائق شاگرد کون ہوتے ہیں؟ جو مرنے کے بعد

بزرگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کی میت صرف مجمع بڑھانے کے لئے روکے رکھتے ہیں، فلاں صاحب پہنچ جائیں، فلاں بھی آجائیں۔ اور فلاں بھی، پھر اس دوران تصویریں لی جاتی ہیں اس کے علاوہ بھی بدعات ورسوم اور طرح طرح کی خرافات کا ارتکاب ہوتا ہے۔ یہ ہیں بزرگوں کے نادان دوست ان کی نالائق اولاد اور نالائق مرید اور نالائق شاگرد، انتہائی درجے کے نالائق اور نااہل۔ اللہ تعالیٰ ایسے نالائقوں سے اپنی حفاظت میں رکھیں، آپ لوگ بھی اگر وصیت کردیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہم پر یہ ظلم نہ کیا جائے بلکہ سارے کام سنت کے مطابق کئے جائیں تو مجھے بھی اطمینان ہو جائے کہ میرے متعلقین لائق ہیں۔

موت بڑا واعظ ہے:

اس بارے میں ایک ضعیف حدیث ہے:

﴿کفی بالموت واعظا﴾

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر فکر آخرت پیدا کرنے کے لئے موت کی یاد کا نسخہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

موت کو یاد کرتے رہنا نصیحت کے لئے کافی ہے۔ آپ ہزاروں وعظ و نصیحت کی کتابیں پڑھ لیں ان سے اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا کہ موت کو ایک بار یاد کرنے سے ہوگا۔ موت بہت بڑا واعظ ہے یہ بڑی ہی نصیحت کرنے والی چیز ہے۔ اس میں آخرت کا فائدہ تو ہے ہی دنیا کا بھی بڑا فائدہ ہے۔ آخرت کا فائدہ تو ظاہر ہے کہ انسان موت کو یاد کرکے آخرت کی کوشش میں لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ کر اس کو راضی کرنے کی فکر میں لگ جائے گا، نیک عمل کرے گا کہ قبر کے عذاب اور آخرت کی رسوائی سے بچ جائے۔ حساب وکتاب کا مرحلہ آسانی سے طے ہو جائے۔ جہنم کے عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو اور جنت کی دائمی نعمتوں سے مالامال ہو جائے۔ انسان

جس حد تک اپنی موت کو یاد کرے گا اس کی ہمت بلند ہوگی، نیک اعمال کی توفیق بڑھے گی اور آخرت سدھرے گی۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ ایک شخص مال کمانے کے لئے وطن سے دور کہیں سفر پر نکلا ہوا ہے۔ وہ اس بات کو کہ یہاں پردیس میں کچھ کمانے کے لئے آیا ہوں جتنا سوچے گا اور دل میں اس کا جتنا استحضار رکھے گا اتنا ہی زیادہ کمائے گا۔ اور اگر سفر کی بھول بھلیوں میں پڑ کر مقصد سفر کو بھول گیا اور پردیس میں دل لگا کر بیٹھ گیا، وہیں اپنی کمائی اڑانا شروع کردی تو وہ خود سوچے کہ اپنے وطن کس منہ سے جائے گا؟ اور کیا کما کر لے جائے گا؟

دنیا بھی ایک مسافر خانہ ہے ہمیں اس میں اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ وطن کی تیاری کرلیں۔ اس چند روزہ سفر میں محنت کرکے آخرت کی دائمی زندگی سنوار لیں۔

دنیا میں رہتے ہوئے جو شخص موت کو یاد رکھے گا وہ کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوگا۔ وطن کی فکر اس کو دامن گیر رہے گی، قدم قدم پر یہ سوچے گا کہ یہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے اس کے وطن کی زندگی بنے گی یا بگڑے گی؟ بار بار سوچنے سے ہمت بلند ہوگی، اور گناہ چھوٹ جائیں گے۔ اس سے آخرت تو بنے گی ہی دنیا میں بھی زندگی بہت راحت وسکون سے گذرے گی اور آخر وقت میں جان بہت آسانی سے نکلے گی، جیسے ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں جا ٹھہرے ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب ان کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آ ٹھہرے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

اللہ ساتھ ہے تو دنیا بھی جنت ہے:

﴿ان اللہ لمع المحسنین﴾ (۲۹-۶۹)

"یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اچھے کام کرنے والے ہیں۔"

﴿ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ۝﴾ (۱۶-۱۲۸)

"یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو گناہوں سے بچتے ہیں اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اچھے کام کرتے ہیں۔"

کوئی مرجائے تو لوگ کہتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ نے بلالیا مگر اللہ تعالیٰ یہ فرمار ہے ہیں کہ جو لوگ نیک ہیں، ہماری نافرمانی سے دور رہتے ہیں، اگر کبھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار میں لگ جاتے ہیں، ایسے بندوں کو بلانا کیا ہم تو دنیا میں بھی ان کے ساتھ ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو تو پھر انسان کہیں بھی ہو، کسی حال میں بھی ہو جنت میں ہے ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چون ماہ
جنت است آن گرچہ باشد قعر چاہ

کوئی گہرے کنویں میں گرا ہوا ہو مگر محبوب ساتھ ہو، تو اس کی مسرت کا کیا ہی کہنا، وہ گھبرائے گا نہیں۔ جس کو اللہ سے محبت ہو وہ یہ سوچے گا کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ اس کو کوئی فکر نہیں ہوتی، غم تو اس کے قریب بھی نہیں آتا۔ دل سرور سے بھرا رہتا ہے۔ اس کی لذت اس کو محسوس ہوتی ہے ؎

میں دن رات جنت میں رہتا ہوں
مرے باغ دل کی وہ گل کاریاں ہیں

میں گو کہنے کو اے ہمدم اسی دنیا میں ہوں لیکن
جہاں رہتا ہوں میں وہ اور ہی ہے سرزمیں میری

مقصودِ حقیقی:

ایک دعاء ہے:

﴿اللھم انی اسألک رضاک والجنۃ﴾

”یا اللہ! میں تیری رضا چاہتا ہوں اور جنت چاہتا ہوں۔“

معلوم ہوا کہ اصل مقصود رضا ہے، جنت اس کی رضا کی ایک علامت ہے آخرت میں جس کو جنت مل گئی یہ اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں اس لئے اللہ کے بندے سوچتے ہیں کہ خواہ مخواہ کا انتظار کب تک کریں؟ بیٹھے انتظار کے دن گنتے رہیں اس سے کیا فائدہ؟ وہاں جاکر اگر کچھ ملنا ہے وہ تو یہیں حاصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی۔ اگر اس میں شبہہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہے یا نہیں؟ تو اس میں پریشانی کی کونسی بات ہے۔ اگر حاصل نہیں تو ان کی نافرمانی چھوڑ کر ان سے معافی مانگ کر ایک لمحے میں ان کی رضا حاصل کرسکتے ہیں۔

﴿استغفر اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ﴾

بلکہ زبان سے بھی کہنے کی ضرورت نہیں دل ہی دل میں متوجہ ہو جائے۔ اس میں بھلا کتنی دیر لگتی ہے۔

جب یہیں وہ دولت حاصل ہے جو مرنے کے بعد ملنے والی ہے تو انتظار کس چیز کا۔ جب دنیا ہی میں جنت کی لذت حاصل ہوگئی تو مرنے کا انتظار کیوں کریں؟ ایسے شخص کی دنیا بھی جنت ہے آخرت بھی جنت، اس کا مرنا بھی کیا ہے؟ ایک جنت سے دوسری جنت میں منتقل ہونا، بلکہ جنت کے ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں پہنچنا، ان کے لئے ہر جگہ جنت کی لذت میسر ہے لیکن یہ بھی سمجھئے کہ آخرت کی دائمی جنت میں سب سے بڑی لذت کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ یہ نعمت بھی جنت میں اسی کو نصیب ہوگی جس کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اسے دل میں بسالیا، اسے دنیا میں ہی لذت دیدار نصیب ہونے لگتی ہے، ایسے دل پر خاص اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے ؎

حسن خویش ازروئے خوبان آشکارا کردۂ
پس بچشم عاشقان خود را تماشا کردۂ
پرتو حسنت نہ گنجد در زمین و آسمان
در حریم دل نمی دانم کہ چون جاکردۂ

"میرے محبوب! تیرے حسن کا پرتو زمین آسمان میں نہیں سماتا لیکن میں حیران ہوں کہ دل کی کوٹھڑی میں کیسے سما گیا۔"

ایک حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے:

﴿ما وسعنی سمائی ولاارضی بل وسعنی قلب عبدی المؤمن﴾

"میں زمین و آسمان میں نہیں سمایا، لیکن اپنے بندے مؤمن کے دل میں سما گیا۔"

اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کو موضوع کہا گیا ہے مگر مضمون صحیح ہے۔

جن خوش نصیب لوگوں کو لذت دیدار دنیا میں ہی محسوس ہو جاتی ہے۔ اس لذت کے سامنے ان کے لئے دنیا بھر کی دوسری تمام لذتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ بلکہ ہر لذت اس لذت میں فنا ہو جاتی ہے۔ دنیا کی کوئی نعمت ان کے سامنے آئے اسے آئینہ جمال یار سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے سادہ سے سادہ نعمت میں بھی انہیں وہ لذت آتی ہے جو دوسرے لوگوں کو قورمے اور مرغن غذاؤں میں بھی نہیں آتی۔ ان عارفین کے لئے ہر چیز آئینۂ جمال یار بن جاتی ہے۔

ہر نعمت میں انہیں منعم کا جلوہ نظر آتا ہے، صرف کھانے اور پینے کی نعمتوں میں ہی نہیں بلکہ بیوی بچوں میں دوست احباب میں ہر چیز میں انہیں اپنے محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔

نعمت سامنے آتے ہی فوراً ذہن منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ نعمت کہاں سے آئی؟ وہ کون سی ذات ہے جو بلا کسی ادنی استحقاق کے نعمتوں پر نعمتیں بھیج رہی ہے؟ دنیا میں بھی دیکھ لیجئے کہ ایک دوست دوسرے دوست کو ہدیہ بھیجے تو وہ کتنا خوش ہوتا ہے؟ (ہدیہ عربی لفظ ہے یاء کی تشدید سے، اس کا تلفظ صحیح کیجئے) ہدیہ لینا دینا دلیل محبت ہے محبت کے بغیر نہ کوئی ہدیہ دیتا ہے نہ لیتا ہے، دوست محبت سے ہدیہ پیش کرے تو انسان بہت خوش ہوتا ہے، سنبھال سنبھال کر اسے رکھتا ہے، اس کی بڑی قدر کرتا ہے، خواہ بے قیمت سی چیز ہی ہو، دوست سے جتنی محبت ہوگی اس کے ہدیہ کی بھی اتنی ہی قدر ہوگی۔ کوئی اجنبی شخص ہدیہ پیش کرے تو اول تو انسان اسے قبول کرتے جھجکے گا۔ اور اگر قبول کر بھی لے تو اس کی ایسی قدر نہیں کرے گا جیسی دوست کے ہدیہ کی قدر کی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کو مہدی کے بجائے ہدیہ ہی سے محبت ہو، مثلاً کوئی حب مال کا مریض ہے تو اسے جہاں سے بھی کوئی چیز ہاتھ آجائے خواہ دوست سے آئے یا دشمن سے جھپٹ لے گا، اور اسے چومنے چاٹنے لگے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بندے کو نعمت عطاء کی جاتی ہے خواہ وہ کیسی ہی ناقص نعمت ہو (ناقص کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے، اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ناقص تو ہو ہی نہیں سکتی ہاں دوسری نعمتوں کے مقابلے میں کم درجہ کی ہو سکتی ہے) جس بندے کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے وہ اس نعمت کو ہدیۂ محبت سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے میرے محبوب کا انعام ہے۔

شکر نعمت:

ہر نعمت کے موقع پر انسان کو سوچنا چاہئے کہ اس کا دینے والا کون ہے؟ محبوب، ایسا محبوب جس پر محبت کی انتہاء ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہو سکتا، اس محبوب حقیقی نے یہ نعمت عطاء کی پھر عطاء کس کو کی؟ ایسے نا اہل نالائق انسان کو جو محبت کا جھوٹا مدعی ہے، جو محبت کا کوئی حق اداء نہیں کرتا، اور نہ ہی نعمت کا شکر اداء کرتا

ہے۔ حق اداء کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں بالفرض کوئی ہزار سال تک سر سجدہ میں رکھ کر روتا رہے، گڑگڑاتا رہے، تو بھی حق محبت اداء نہیں کر سکتا۔ ان کی طرف سے انعام واکرام کی انتہاء، بندے کی طرف سے احسان ناشناسی اور ناشکری کی انتہاء، ایسے ناشکرے کو کہتے ہیں "نمک حرام" جو اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کا شکر اداء نہ کرے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں یہ سوچنا شروع کردے کہ بلا استحقاق یہ نعمتیں کہاں سے آرہی ہیں؟ تو دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت از خود پیدا ہو جائے گی، شکر نعمت کا جذبہ پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہوگا، دل کی یہ کیفیت ہوگی ؎

میں دل پر جو ان کا کرم دیکھتا ہوں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتا ہوں

ایک بار مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کچھ دینی گفتگو فرما رہے تھے، دوران گفتگو ایک شخص نے آکر کہا کہ حضور! ریاست رامپور کے نواب صاحب کہتے ہیں اگر حضور ہماری دعوت قبول فرمالیں تو ایک لاکھ روپے نذرانہ دیں گے۔ دیکھئے جس کے پاس دولت زیادہ آجائے اس کی عقل ماری جاتی ہے، جتنا بڑا مالدار اتنا ہی بڑا بے وقوف۔ یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں، پیسہ تو میرے پاس بھی بہت آتا ہے لیکن الحمد للہ! اس کے فتنے سے محفوظ ہوں۔ سب کچھ اللہ کی راہ میں نکال دیتا ہوں اور میں دعاء کرتا رہتا ہوں کہ یا اللہ! مال بڑھنے سے کہیں عقل کم نہ ہو جائے۔ یا اللہ! ایسے مال سے میں پناہ مانگتا ہوں جس سے عقل جاتی رہے۔ اب اس مالدار نواب کی بے وقوفی دیکھیں کہ خود حاضری دینے کی بجائے حضرت کو اپنے یہاں بلا رہا ہے کہ تشریف لائیں تو ایک لاکھ روپے نذرانہ دوں گا، یہ نہیں سوچتا کہ ضرورت تو اسے ہے اسے ہی حاضر ہونا چاہئے، حضرت کی خدمت میں جاکر استفادہ کرنا چاہئے، مال و دولت کے ساتھ اللہ تعالیٰ جن بندوں کو عقل سلیم سے بھی نوازتے ہیں وہ ایسی حرکتیں نہیں کرتے، وہ لوگ

اہل اللہ کو اپنے سے زیادہ غنی سمجھتے ہیں، اپنے آپ کو ان کے سامنے حقیر سمجھتے ہیں۔ ایک تو نواب کی کم عقلی دیکھیں پھر اس کا قاصد بھی اسی جیسا، قاصد میں عقل ہوتی تو نواب کو اس غلطی سے باز رکھتا کہ آپ کو ضرورت ہے اس لئے حضرت کو زحمت دینے کی بجائے آپ خود حاضری دیں، لیکن حضرت کو لانے کے لئے قاصد چل پڑا، حضرت کی خدمت میں پہنچ کر نواب کا پیغام پہنچایا، پہنچایا بھی کس وقت؟ جب حضرت دینی گفتگو میں مشغول تھے۔ دین کی بات کرتے ہوئے درمیان میں کوئی دنیا کا لقمہ دے دے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مزے لے لے کر قورمہ کھا رہا ہو کوئی درمیان میں قورمہ چھین کر اس کے منہ میں کونین کی گولی ڈال دے۔ آج کے مسلمان کو تو مال کا نام لینے سے ہی مزا آتا ہے۔ ہر وقت پیسے کے تصور میں دل بہلاتا رہتا ہے کہ مال کچھ اور بڑھ گیا اور پیسا کچھ زیادہ جمع ہو گیا تو کارخانہ لگالیں گے یا ملک سے باہر چلے جائیں گے، یہ کرلیں گے اور وہ کرلیں گے۔ انہی سوچوں میں مگن رہتا ہے۔ میں جب سوچتا ہوں کہ مال کے بندوں کو مال کے تصور میں کتنا مزا آتا ہے تو فوراً اللہ کا نام لیتا ہوں "اللہ" ارے! اس کو مال کے تصور میں کتنا مزا آتا ہوگا زیادہ سے زیادہ اتنا آتا ہوگا جتنا مجھے پاک نام لینے سے آیا اس سے زیادہ نہیں آسکتا، پھر دل میں ایک بار اشکال ہوا کہ اللہ کے نام میں جیسی لذت ہے دنیا کے تصور میں کہاں سے آگئی؟ ایسی لاکھوں کروڑوں دنیا پیدا کردی جائیں جب بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہیں۔ تو یہ میں نے کیا کہہ دیا کہ ان لوگوں کو دنیا کے تصور میں ایسا مزا آتا ہے جیسا مجھے اللہ کا نام لینے میں آتا ہے۔ اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نام کی حلاوت سے محروم ہیں انہیں واقعۃً غیر اللہ سے اللہ جیسی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ اندادا یحبونھم کحب اللّٰہ﴾ (۲-۱۶۵)

لیجئے جواب قرآن ہی سے مل گیا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو غیر اللہ کے

ساتھ اتنی محبت ہے جتنی اللہ کے ساتھ محبت ہونی چاہئے۔ جب اتنی محبت ہے تو ظاہر ہے محبوب کے تصور میں بھی مزا آتا ہوگا۔

بات چل رہی تھی مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی، جب قاصد نے کہا کہ نواب صاحب کی دعوت قبول فرمالیں تو ایک لاکھ روپے نذرانہ دیں گے۔ یہ سن کر حضرت نے لمبی چوڑی تقریر نہیں فرمائی بس ایک ہی جملہ فرمایا:

"ارے! لاکھ پر مار لات میری بات سن۔"

یہ فرما کر گفتگو میں مشغول ہوگئے۔ ان حضرات کے ہاں دنیا کی اتنی وقعت بھی نہ تھی کہ اس کی تردید میں وقت صرف کرتے قاصد کو اتنا ہی بتادیتے کہ جب دینی گفتگو چل رہی ہو تو اس دوران دنیا کی گفتگو نہیں کرتے یا یہ کہ دنیا کی باتیں چھوڑ دو، آخرت کی فکر پیدا کرو۔ نہیں ایک لفظ بھی نہیں فرمایا، لاکھ کی بات کان میں پڑی بس اسے مکھی کی طرح اڑا دیا اور اپنی بات میں مشغول ہوگئے۔ بات سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا ؎

میں دل پر جو ان کا کرم دیکھتا ہوں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتا ہوں

میں اس کا تصور کرتا ہوں تو مزا ہی آجاتا ہے "لاکھ پر مار لات میری بات سن" دل چاہتا ہے کہ اس جملے کا ورد کروں اس کو کہتا چلا جاؤں، کہتا ہی چلا جاؤں۔ یا اللہ! ہمارے دل میں بھی یہی کیفیت پیدا فرمادے۔

موت کی یاد:

موت کو یاد کرنے کے بارے میں بیان چل رہا تھا، موت کو کثرت سے یاد کرتے رہنا چاہئے۔ موت کی یاد انسان کے لئے بہت بڑا واعظ ہے۔ اس سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اکثروا من ذکر ھازم اللذات الموت﴾ (ترمذی)

"موت کو کثرت سے یاد کیا کرو جو تمام لذات کو ختم کردینے والی ہے۔"

صرف یہ نہیں فرمایا کہ یاد کیا کرو بلکہ فرمایا: اکثروا۔ اس کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

دنیا میں انسان جس قدر گناہ کرتا ہے، آخرت سے اسی قدر غفلت ہوتی ہے اس کا واحد سبب نفسانی خواہشات اور لذتیں ہیں۔ اپنی لذتوں میں پڑ کر انسان گناہوں کا شکار ہوتا ہے، اپنے مالک کو ناراض کرتا ہے۔ اس لئے اس مرض کا یہ علاج ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرو جو بلا اجازت واطلاع اچانک آکر تمہاری ان تمام لذتوں کا خاتمہ کردے گی جن میں پڑ کر اپنے مالک کو ناراض کررہے ہو، آخرت کو برباد کررہے ہو۔

یہی تجھ کو دھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا
تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

فکر موت رکھنے والا ایسے نہیں جیا کرتا جیسے عشاق دنیا جی رہے ہیں۔ اسے تو ہر وقت مرنے کی فکر لگی رہے گی اور یہ کہ مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ وہ اس فکر میں گھلتا رہے گا غفلت اور بے فکری تو اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے، دنیا میں پہلا قدم رکھتا ہے، موت آواز دیتی ہے: ”ذرا دھیان سے، ذرا خیال سے کہ میں بھی تیرے ساتھ ساتھ چلی آرہی ہوں۔“ انسان کو ہر وقت یہ حقیقت سوچتے رہنا چاہئے۔

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دیوبند میں ہمارے استاذ تھے آپکی والدہ یا اہلیہ کا انتقال ہوا۔ میں نے آپ کو تعزیت کا خط لکھا پہلے زمانے میں یہ دستور تھا کہ تعزیت کے خط کا جواب نہیں لکھا جاتا تھا۔ اور صحیح طریقہ بھی یہی ہے۔

آج کل غالباً یہ دستور ہو گیا ہے کہ تعزیت کے جتنے خطوط آئیں سب کا جواب لکھنا پڑتا ہے۔ مرنے والے کے ورثہ کیلئے دہری مصیبت۔ اس زمانے میں یہ دستور نہیں تھا اسکے باوجود مولانا نے خط کا جواب لکھا۔ یہ ان کی شفقت و محبت تھی کہ میری طرف سے تقاضائے جواب کے بغیر جواب لکھ دیا اور جواب بھی عجیب لکھا:

”اس قسم کے سوانح درد انگیز ہونے کی بجائے عبرت آموز ہونے چاہئیں۔“

سوانح کے معنی ہیں حوادث۔ کسی عزیز و قریب کی وفات کا حادثہ پیش آجائے تو اس پر رنج و غم کرنے کی بجائے انسان اس سے عبرت پکڑے، اپنی موت کو یاد کرے کہ آج وہ گیا کل ہمیں بھی جانا ہے، سعادتمند وہ ہے جو دوسروں کی موت دیکھ کر یا ان کی موت کی خبر سن کر اپنی موت کو یاد کرے اور اس کی تیاری شروع کر دے۔ مولانا نے پھر ایک شعر لکھا ؎

واذا سمعت بھالک فتیقنن
ان السبیل سبیلہ فتزود

کسی مرنے والے کی خبر سنو تو یقین کر لیا کرو کہ جس راستے پر وہ گیا ہے اسی راستے پر

ہمیں بھی جانا ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ تمہیں مرنے کا یقین ہے یا نہیں؟ تو ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھے پورا یقین ہے۔ مگر مرنے کی تیاری کوئی نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ اس یقین کو دل میں اتار لو اور دل میں استحضار کرو۔ اتنا استحضار کرو جو تیاری پر مجبور کردے۔

مرنے کی تیاری:

موت کی تیاری کا مطلب یہ نہیں کہ قبر کے لئے زمین خرید لیں، کفن بنانا شروع کردیں یہ بعد کی باتیں ہیں آپ کو ان کے سوچنے کی ضرورت نہیں ورثہ خود ہی کردیں گے۔ اصل تیاری یہ ہے کہ گناہوں سے باز آجائیں توبہ واستغفار کیجئے، جن جن لوگوں کے حقوق آپ کے ذمہ ہیں ان حقوق کو اداء کیجئے یا معاف کروالیجئے۔ اسی طرح کسی انسان کو جسمانی تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے بھی معاف کروالیجئے، نماز، روزہ یا کوئی اور عبادت آپ کے ذمہ باقی ہے تو اس کو جلد سے جلد اداء کرنا شروع کردیجئے، زکوٰۃ باقی ہے تو حساب کرکے گذشتہ سالوں کی پوری زکوٰۃ اداء کردیجئے۔

اداء حقوق کے معاملہ میں بڑی غفلت ہورہی ہے کیا معلوم کب وقت آجائے، ایک لمحہ کی خبر نہیں مگر بے فکر بیٹھے ہیں۔ سوچئے اگر اسی بے فکری میں موت آگئی اور حقوق اللہ یا حقوق العباد یوں ہی آپ کے ذمہ رہ گئے نہ اداء کئے نہ معاف کروائے تو آگے چل کر کیا بنے گا؟ اس بات کو بار بار سوچئے، بعض لوگ یہ سوچ کر بیٹھے رہتے ہیں کہ ہماری فوت شدہ نمازیں اور روزے بہت زیادہ ہیں ان کی قضاء کرنا بھی چاہیں تو پوری نہ کرسکیں گے۔ یہ بھی نفس و شیطان کا فریب ہے، ورنہ اس کی بھی آسان صورت یہ ہے کہ توبہ کرکے فوراً قضاء شروع کردیں اور وصیت بھی کردیں پھر اگر اداء کرنے سے پہلے موت آگئی تو بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے، کہ بیچارے نے اپنی طرف سے کام شروع تو کردیا تھا، کام میں لگ گیا تھا، مگر موت نے

مہلت نہ دی۔ اس کے لئے معافی کی امید ہے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ جب کسی کے مرنے کی خبر سننے میں آئے تو یہ سوچ لیا کریں کہ وہ تو چلا گیا مجھے بھی جانا ہے، ایسے موقع میں ہمت بلند کر کے موت کی تیاری میں لگ جائے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جہاں کسی کے مرنے کی خبر آتی ہے تو آس پاس کے لوگ افسوس کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ افسوس کر کے میت کے رشتہ داروں کا صدمہ اور بڑھا دیتے ہیں، افسوس تو ان بے چاروں کو پہلے سے ہے یہ نادان ان کو تسلی دینے کی بجائے ان کے زخموں پر مزید نمک پاشی کر رہے ہیں۔

تعزیت کا طریقہ:

تعزیت کا طریقہ بھی سمجھ لیجئے، کسی کے مرنے کے بعد اس کے رشتہ داروں کے پاس جا کر ان کو کیا کہیں؟ اس سلسلہ میں تین باتیں یاد رکھئے۔

(۱) پہلی بات تو یہ کہ ان سے افسوس نہیں بلکہ تعزیت کرنا ہے تعزیت کے معنی ہیں صبر کی تلقین کرنا تسلی دینا۔ مگر دستور بن گیا ہے کہ میت ہوتے ہی محلہ بھر کی عورتیں اس کے گھر جا کر رونا پیٹنا شروع کر دیتی ہیں، حادثہ پر خواہ سال بھی گذر جائے لیکن یہ جب بھی آپس میں ملیں گی مل کر چیخنا چلانا شروع کر دیں گی اور پرانے زخم کو پھر تازہ کر کے اٹھیں گی۔ اس موقع پر بین کرنا رونا پیٹنا حرام ہے تعزیت کے لئے جائیں تو صبر و تسلی کے کلمات کہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ میت کے لئے مغفرت کی دعاء کریں۔ دعاء مغفرت ایک تو میت کا حق ہے۔ دوسرے میت کے رشتہ داروں کو اس سے فرحت و تسلی ہوگی۔

(۳) تیسری بات یہ کہ خود بھی سوچیں اور اہل میت کو بھی اس کی تبلیغ کریں کہ جس طریقے سے تمہارے یہ عزیز دنیا سے چلے گئے ہیں ٹھیک اسی طرح ایک دن ہمیں بھی

جانا ہے نہ وہ موت سے چھوٹ سکے نہ ہم چھوٹ سکیں گے۔ موت وحیات اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں جب ان کی طرف سے بلاوا آگیا تو دنیا کی کوئی طاقت بچا نہیں سکتی۔

کسی کے مرنے پر لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ ہم دیر سے پہنچے، ذرا جلدی آجاتے تو مرحوم کا چہرہ دیکھ لیتے، مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ ہماری اجل بھی سر پر سوار ہے، اسی طرح اچانک دنیا سے کسی دن چل دیں گے اور احباب واقارب یوں دیکھنے کو ترستے رہ جائیں گے۔

خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے کا قصہ مشہور ہے ان پر خوف آخرت کا ایسا غلبہ ہوا کہ شاہانہ زندگی چھوڑ چھاڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ ایک جھونپڑی میں رہائش اختیار کی، دن کو مزدوری کرتے رات اپنی جھونپڑی میں بسر کرتے۔ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرماتے ہیں۔ ان کی مزدوری کا کام اللہ تعالیٰ نے ایسا آسان کر دیا کہ اینٹیں ان کے تابع ہو گئیں۔ ان کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو اینٹیں خود بڑھ کر ان کی طرف آنے لگتیں۔ دیوار چنا شروع کی تو اینٹیں اوپر تلے خود بخود چڑھنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی یوں مدد فرماتے ہیں۔ صاحبزادے ضرورت کی حد تک محنت مزدوری کر کے اپنی جھونپڑی کو لوٹ آتے اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ جھونپڑی میں ان کے ساتھ ایک ساتھی اور بھی رہتا تھا اس کا بیان ہے کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو میں نے ان کا سر جو اینٹ پر رکھا تھا۔ اینٹ ہٹا کر سر اپنی ران پر رکھ لیا، کہنے لگے بھائی! ران ہٹا لو میرے لئے اینٹ ہی بہتر ہے، اب قبر میں جا رہا ہوں وہاں تمہاری ران کہاں سے آئے گی؟ اس کے بعد دو شعر پڑھے ؎

یا صاحبی لا تغترر بتنعم
فالعمر ینفد والنعیم یزول

واذا حملت الی القبور جنازۃ
فاعلم بأنک بعدھا محمول

"اے دوست! دنیا کے عیش ونشاط میں پڑ کر دھوکے میں مبتلا نہ ہوجانا اس لئے کہ زندگی ایک دن ختم ہوجائے گی اور عیش وعشرت کا یہ سارا سامان تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا۔ یہ چیزیں اول تو دنیا میں ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گی، اگر رہ بھی گئیں تو زیادہ سے زیادہ موت تک رہیں گی، موت آتے ہی دنیا کی ہر چیز چھوٹ جائے گی جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے کر چلو تو چلتے ہوئے سوچتے جایا کرو کہ کسی روز ہمیں بھی لوگ یوں ہی اٹھا کر لے جائیں گے۔"

کوئی بھی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں، ہر ایک کا جنازہ اٹھنا ہے۔ کسی کا جنازہ دیکھ کر اپنا جنازہ یاد کیا کریں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر پر میں گیا تو استحضار کی عجیب کیفیت تھی، زندگی میں بھی بڑی شفقت فرماتے تھے، جب بھی تشریف لاتے اچانک آپہنچتے، پہلے سے کسی قسم کی اطلاع نہ ہوتی، یہ ان کی محبت تھی۔

ایک بار عجیب واقعہ پیش آیا جس زمانہ میں میرا قیام دارالعلوم میں تھا ایک بار خیال آیا کہ اس سال رمضان المبارک ایسی تنہائی میں گزارا جائے کہ نہ کسی کو پتا چلے نہ کوئی ملنے آئے۔ چلتے ہوئے گھر والوں کو وہاں کا فون نمبر دے دیا کہ خدانخواستہ گھر میں کوئی پریشانی کی بات پیش آجائے تو مجھے اطلاع کر سکیں گھر والوں کو پتا اس لئے نہ بتایا کہ کسی کے پوچھنے پر یوں کہہ سکیں، کہ ہمیں پتا نہیں، پوچھنے والا ہمیشہ پتا ہی پوچھتا ہے جب انہوں نے کہہ دیا کہ ہمیں پتا نہیں تو اس کے بعد وہ یہ نہیں پوچھے گا کہ اگر پتا نہیں ہے تو فون نمبر ہی بتا دیجئے۔ بہرحال ایسی رازداری کے ساتھ میں گھر سے نکل گیا۔ لیکن وہاں پہنچنے کے بعد ایک دن اچانک حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ

تعالیٰ کا فون آگیا، میں نے حیران ہو کر پوچھا حضرت! پہلے تو یہ فرمائیں کہ آپ کو میرا پتا کیسے چل گیا؟ فرمانے لگے: ڈھونڈنے والے کہاں چھوڑتے ہیں؟ پھر فرمایا کہ میں آپ کے پاس آرہا ہوں۔ میں نے عرض کیا جب ڈھونڈ ہی لیا تو چھپنا بے سود رہا آپ زحمت نہ فرمائیں میں ہی حاضر ہو جاتا ہوں۔ حضرت جیکب لائن میں مولانا احتشام الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں جب پہنچا تو فرمانے لگے:

"دو شخص رات کو بہت کم سوتے ہیں نیا صوفی اور نئی شادی والا۔"

وہ میری یہ حالت دیکھ کر کہ گھر چھوڑ کر لوگوں سے چھپ کر رمضان گزار رہا ہے سمجھے کہ شاید ساری ساری رات بیدار رہتا ہو، اس لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس گمان کو حقیقت بنادیں، اللہ کے نام کی ایسی چاٹ لگ جائے جو راتوں کی نیند اڑادے ۔

خواب را بگزار امشب اے پسر
یک شبے در کوئے بے خوابان گزر

بیٹے! آج صرف ایک رات کے لئے نیند چھوڑ دو، ایک رات کی ترغیب دے رہے ہیں زیادہ کی نہیں، اس لئے کہ جس نے ایک رات بیدار رہنے کی حلاوت پالی اس کی نیند ہمیشہ کے لئے اڑ جائے گی۔ پہلے تو اس کے لئے ایک رات کی بیداری مشکل کام تھا اب سونا مشکل ہو جائے گا، لوگ اسے پکڑ پکڑ کر سلائیں جب بھی نہ سوئے گا۔ محبت ایسی چیز ہے۔ ایک رات شب بیدار لوگوں کی گلی میں گزار لو، بس اس سے زیادہ تمہیں نہیں کہتے۔

اگر کوئی کہے کہ آپ ایک رات کہہ رہے ہیں ہم نے بہت سی راتیں بیدار رہ کر گزاری ہیں، شادی میں، عید میں، ہسپتال میں اور نہ جانے کن کن مواقع پر۔ جواب یہ ہے کہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے۔ آپ نے خوشی کی راتیں لایعنی اور لغو قسم کی باتوں میں ضائع کیں، غمی کی راتیں بھی اضطراب و بے صبری میں گزاریں، ذکر و عبادت کی نیت

سے کتنی راتیں بیدار رہے ہیں؟ اس کی چاٹ نہیں لگی؟

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات چل رہی تھی کہ حد درجہ مہربان تھے۔ کراچی جب تشریف لاتے بلا اطلاع اچانک بے تکلف میرے ہاں چلے آتے، ایک بار تشریف لائے اور رخصت ہوتے وقت ارشاد فرمایا شاید یہ آخری ملاقات ہو۔ لیکن اس کے بعد اتفاق سے پھر ایک ملاقات ہوگئی، یہی آخری ملاقات تھی۔ چند ماہ بعد حضرت کا وصال ہوگیا۔ حضرت کی قبر پر حاضری دی عجیب کیفیت طاری تھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سامنے تشریف فرما ہیں موت کا ایسا استحضار تھا گویا آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہے۔

حدیث میں ہے:

﴿السعید من وعظ بغیرہ﴾ (مسلم)

"نیک بخت انسان وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت پکڑے۔"

اگر کوئی احمق بجلی کے تار کو چھیڑ کر لٹک جاتا ہے۔ تو دیکھنے والے تمام لوگوں کو اس کے انجام سے عبرت حاصل کرنا چاہئے مگر آج حالت یہ ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے سے عبرت نہیں حاصل کرتا، ایک شخص بجلی کے تار سے لٹکا ہوا ہے تو دوسرا چاہتا ہے کہ وہ بھی فوراً لٹک جائے۔

جنازے روز اٹھتے ہیں ان سے کچھ سبق لیجئے اپنے نفس کو تنہائی میں سمجھائیے کہ تجھے بھی آخر مرنا ہے، تیرا بھی جنازہ اٹھنے والا ہے، یہ وقت تجھ پر ضرور آنے والا ہے! اب سوچ لے کہ جان کیسے نکلے گی؟ آخری انجام کیا ہوگا؟

سورۂ نازعات کی پہلی دو آیتوں کو بار بار سوچا کریں:

﴿والنزعت غرقا۝ والنشطت نشطا۝﴾ (۷۹-۱،۲)

فرشتے نافرمان کی روح اتنی سختی سے نکالتے ہیں جیسے کوئی باریک کپڑا کانٹوں پر پھیلا

کر اسے زور سے کھینچا جائے تو اس کا تار تار ٹوٹتا ہے اور فرمانبردار بندے کی روح ایسی آسانی سے نکالتے ہیں جیسے بھرے ہوئے مشکیزے کی ڈوری کھول دی جائے۔ اگر کوئی بے دین بوقت نزع جسمانی عذاب سے بچ گیا اور بظاہر آرام سے مرگیا تو روحانی عذاب سے نہیں بچ سکتا اس کی روح عذاب میں مبتلا ہوتی ہے، اسی طرح اگر کوئی دیندار آخری وقت میں تکلیف میں نظر آتا ہے تو اس کی روح کو تکلیف نہیں ہوتی، وہ حالت سرور میں رخصت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو بصیرت کی وہ آنکھ عطاء فرمائیں جو دوسروں کے حالات دیکھ دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

وصل اللّٰھم وبارک وسلم علی عبدک ورسولک محمد
وعلی الہ وصحبہ اجمعین
والحمدللہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (القرآن)

"اور جسے حکمت (فہم دین) عطا ہوئی تو بے شک اسے بڑی ہی خیر عطا ہوئی"

جواہر الرشید

یعنی

ہزاروں زریں ملفوظات میں سے منتخب

صد پند لقمان

علماء، مفتیان کرام، اساتذہ، مشایخ عظام، طلبہ، صلحاء اہل تبلیغ کی خدمت میں

گل صد برگ

ملفوظات

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

دس جلدیں تیار